

فلسفہ  
معراج النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم



PDFBOOKSFREE.PK

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز



# فلسفہ معراج النبی ﷺ

ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، فون: 7237695

<http://www.minhaj.org>, e-mail: [tehreek@minhaj.org](mailto:tehreek@minhaj.org)

## جملہ حقوق بحق تحریک منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب :	فلسفہ معراج النبی ﷺ
مصنف :	ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین :	ریاض حسین چوہدری، عبدالستار منہاجین
نظر ثانی :	محمد معراج الاسلام
پروف ریڈنگ و تخریج:	عبدالجبار قمر
کمپوزنگ :	محمد یامین، مقصود احمد
زیر اہتمام :	فرید ملت ریسرچ انسٹیٹیوٹ
نگران طباعت :	محمد جاوید کھٹانہ
مطبع :	منہاج القرآن پرنٹرز
اشاعت اول تا ہشتم :	10,600
قیمت :	160/- روپے



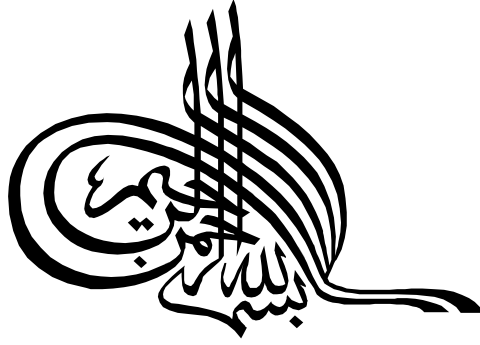
نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات ویلچرز کے ریکارڈ شدہ آڈیو / ویڈیو کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے تحریک منہاج القرآن کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلیکیشنز)

[www.MinhajBooks.com](http://www.MinhajBooks.com)

[research@minhajbooks.com](mailto:research@minhajbooks.com)

ISBN 969-32-0067-5



مَوْلَايَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا  
عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ  
مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيكَ فِي مَحَاسِنِهِ  
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٍ  
﴿صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ﴾

# فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پیش لفظ باب اول:	
	حقیقتِ معجزہ	
	فصل اول:	
۱	تفہیمِ معجزہ	
	معجزہ کا لغوی مفہوم	
	معجزہ کا اصطلاحی مفہوم	
	اصطلاحِ معجزہ کی حقیقت	
۲	لفظِ آیت کا مفہوم	
	۱۔ آیت بمعنی قرآن کا جملہ	
	۲۔ آیت بمعنی واضح نشانی	
	۳۔ آیت بمعنی خارقِ عادت	
	قرآنی اسلوب کی مزید مثالیں	
	۱۔ مبصرۃ	
	۲۔ بینہ	

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	۳۔ برهان خارق عادت افعال کی اقسام ۱۔ معجزہ ۲۔ ارہاص ۳۔ کرامت ۴۔ استدراج حقیقت معجزہ فصل دوم:	۳
	ضرورتِ معجزہ قبول حق اور انسانی فطرت قبول حق کے دو گروہ معجزہ پیغمبرانہ جلال کا آئینہ دار ہوتا ہے عطاء رب جلیل ضرورتِ معجزہ دعوائے نبوت اور معجزہ کا باہمی تعلق فصل سوم:	۴
	معجزہ اور عالم اسباب	۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	<p>معجزہ..... قوانین فطرت کے خرق کا نام</p> <p>معجزہ..... قدرت الہیہ</p> <p>معجزہ کا صدور اذن الہی سے ہوتا ہے</p> <p><u>فصل چہارم:</u></p>	
۶	<p>معجزہ..... لازمہ نبوت</p> <p><u>باب دوم:</u></p>	
۷	<p>اثباتِ معجزہ اور جدید سائنسی تحقیقات</p> <p><u>فصل اول:</u></p>	
۸	<p>اثباتِ معجزہ اور عقل ناقص کا کردار</p> <p>ہر دور کے بنیادی تقاضے مختلف ہوتے ہیں</p> <p>معجزہ ایک ازلی صداقت کا نام ہے</p> <p>انسانی عقل کا عجز</p> <p>جدید سائنس کے اعترافات</p> <p>عادتِ الہیہ اور قدرتِ خداوندی کی تفہیم</p> <p>تمدنی اور ثقافتی پس منظر میں معجزات کا ظہور</p> <p>معجزتِ مصطفوی ﷺ کی عالمگیریت</p> <p><u>فصل دوم:</u></p>	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۹	جدید سائنس اور معجزہ معراج عالم بشریت کی زد میں فقہائے بالا کی مختلف کیفیات خلائی سفر کی لابدی ضروریات تسخیر ماہتاب..... انسان کا بعید ترین خلائی سفر روشنی کی رفتار کے حصول میں حائل رکاوٹیں مثال معجزہ معراج میں براق کا سفر معجزہ معراج: طئی زمانی اور طئی مکانی کی جامعیت کا مظہر طئی مکانی طئی زمانی قرآن حکیم میں طئی مکانی کا ذکر قرآن حکیم میں طئی زمانی کا ذکر اصحاب کہف اور طئی زمانی حضرت عزیر <small>علیہ السلام</small> اور طئی زمانی معراج مصطفیٰ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> اور طئی زمانی و مکانی باب سوم:	
۱۰		



نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۱	معجزہ معراج النبی ﷺ	
	سفر معراج..... نقوشِ کفِ پائے مصطفیٰ ﷺ کی چاندنی	
	سفر معراج عالم بیداری میں ہوا	
۱۲	سفر معراج اپنے تین مرحلے میں	
	۱۔ پہلا مرحلہ	
	۲۔ دوسرا مرحلہ	
	۳۔ تیسرا مرحلہ	
	دو کمانوں کا استعارہ	
	ایک لطیف نکتے کی وضاحت	
	تمثیل کا ثقافتی پس منظر	
۱۳	مرحلے سفر معراج	
۱۴	مرحلہ اولیٰ..... بیت اللہ سے بیت المقدس تک	
	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر انور میں نماز ادا کرنا	
	انبیاء صف بہ صف آپ ﷺ کے استقبال کے لئے کھڑے تھے	
۱۵	مرحلہ ثانیہ..... بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک	
	دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کے لئے ملائکہ کے جہوم درجہ جہوم	
	سدرہ سے آگے یکتا و تنہا	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۶	مرحلہ ثالثہ.....سدرۃ المنتہی سے وصال الہی تک سفر وصال سفر معراج سے کرۂ ارضی کی طرف واپسی خود ساختہ عقائد کی من مانی تاویلات بار بار لوٹ کر جانا نبوت کا کمال تھا اپنائیت اور محبت کے پیمانے صدیوں کا سفر چشمِ زدن میں صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس علم حضور ﷺ کی آزمائش کی جسارت قافلے والوں کے اونٹ کی گمشدگی ابھی جملہ بھی مکمل نہ ہونے پایا تھا خورشیدِ فلک! یہیں رک جا ایک یہودی عالم کی تصدیق باب چہارم:	
۱۷	مراحل معراج کی تحقیق پیکرِ مصطفوی جامع صفات و کمالات آیاتِ ربانی کا مشاہدہ اور دیدارِ حق	

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	<p>تمنائے جبریل امین</p> <p>دعوتِ محبوب کے انداز</p> <p>محبت کا اندازِ محبت</p> <p>محبت کی باتیں</p> <p>صلوٰۃ کا مفہوم کیا ہے؟</p> <p>آسمانوں پر مہمانِ عرش کا بے مثال استقبال</p> <p>دنئی اور تدلیٰ میں فرق</p> <p>۱۸</p> <p>۱۔ قرب صفات</p> <p>۲۔ قرب ذات</p> <p>۱۹</p> <p>قاب قوسین سے کیا مراد ہے؟</p> <p>قاب قوسین کا تہذیبی، ثقافتی اور مجلسی پس منظر</p> <p>عبد اور معبود کا فرق قائم رہا</p> <p>احدیت اور احمدیت کی قوسین</p> <p>مقامِ عبدیت</p> <p>عقیدہ توحید اور واقعہ معراج</p> <p>معراج کیوں؟</p> <p>۲۰</p> <p>۱۔ نگاہوں میں جو تم ہو</p>	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	۲۔ امت سے پیار ۳۔ انمول تحفے باب پنجم:	
۲۱	قرآن اور معجزہ معراج مصطفیٰ ﷺ ہر سمت ہے محامد سرکار ﷺ کی دھنک فصل اول:	
۲۲	سورہ اسراء کی روشنی میں واقعہ معراج	
۲۳	لفظ سبحان کے معارف و حکم	
	پہلی حکمت دوسری حکمت تیسری حکمت چوتھی حکمت پانچویں حکمت	
۲۴	الذی اور بعبدہ کے اسرار و رموز ۱۔ نہ کوئی زمین پہ جواب ہے نہ فلک پہ کوئی مثال ہی ۲۔ حضور ﷺ کا بشری و تہذیبی وجود سلامت رہا ۳۔ مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی	

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	<p>۴۔ سب کچھ عطا کیا ہے خدا نے حضور ﷺ کو</p> <p>۵۔ حقیقت محمدی ﷺ</p> <p>۶۔ ہر حسن کائنات تیری راہگزر میں ہے</p> <p>۷۔ اے کہ ترے وجود پر خالق دو جہاں کو ناز</p> <p>۸۔ عالم بشریت کی زد میں</p> <p>۹۔ شاہکار صنایع ازل</p> <p>اسریٰ بعدہ لیلاً کے ایمان افروز نکات</p> <p>۱۔ حصول مقصد میں رات کی فضیلت</p> <p>۲۔ شب جائے کہ من بودم</p> <p>۳۔ وقت کی طنائیں سمیٹ لی گئیں</p> <p>۴۔ سفر لامکاں</p> <p>فصل دوم:</p> <p>سورۃ والنجم کی روشنی میں واقعہ معراج</p> <p>لفظ نجم کا مفہوم</p> <p>لفظ نجم کا پہلا معنی</p> <p>لفظ نجم کا دوسرا معنی</p> <p>لفظ نجم کا تیسرا معنی</p>	<p>۲۵</p> <p>۲۶</p>

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۲۷	والنجم اذا هوىٰ کے مختلف معانی	
۲۸	والنجم اذا هوىٰ کا پہلا معنی ..... اصل کائنات	
	تصور کائنات کا مرکزی خیال	
۲	ظہور مصطفیٰ ﷺ	
	مرحلہ تخلیق	
	مرحلہ ولادت	
	مرحلہ بعثت	
	نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر	
	پہلی مثال	
	دوسری مثال	
۲۹	والنجم اذا هوىٰ کا دوسرا معنی	
	ظاہری و باطنی کمالاتِ مصطفویٰ کا ظہور	
	حضور ﷺ کو الانجم کیوں کہا گیا	
	والنجم اذا هوىٰ میں مخفی حقائق	
	سفر معراج کا نقطہ آغاز اور منتہائے کمال	
	لامکان کی وسعتوں سے زمین پر نزول	
	صوفیاء کی تعبیر معراج	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۳۰	مرتبہ عروج و نزول پیکر جود و کرم کا احسان عظیم والنجم اذا هوىٰ کا تیسرا معنی: پورے سفر معراج کی قسم قرآنی قسموں کی حکمتیں قسم اس سرزمین کی جس نے تیرے قدموں کو بوسہ دیا والنجم اذا هوىٰ کا چوتھا معنی: سفر معراج کی سرعتِ رفتار معجزہ معراج میں رفتارِ نبوی کا بیان عظمتِ رفتارِ مصطفوی ﷺ سفر معراج کی جزئیات کا احاطہ ممکن نہیں والنجم اذا هوىٰ کا پانچواں معنی: قلب النور و تجلیات الہیہ کا مرکز بنا والنجم اذا هوىٰ کا چھٹا معنی: کائنات کی ہر چیز پر رحمتِ محمدی ﷺ محیط ہے لفظِ ہویٰ کے مختلف معانی ہویٰ کا پہلا معنی: فنا ہونا ہویٰ کا دوسرا معنی: مانند برزخ ہونا رسول کائنات کی تین حیثیتیں	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۳۵	<p>ھوئی کا تیسرا معنی: غیر اللہ سے منقطع ہونا</p> <p>ھوئی کا چوتھا معنی: پھوٹنا، جاری ہونا</p> <p>ھوئی کا پانچواں معنی: محبت و خواہش</p> <p>درجات نفس</p> <p>انتہائے قرب الہی کی ایمان افروز تفسیر</p> <p>آفتاب رسالت کا تین مطالع پر طلوع</p> <p>۱۔ پہلا طلوع</p> <p>۲۔ دوسرا طلوع</p> <p>۳۔ تیسرا طلوع</p> <p>بے مقصد مباحث</p>	
۳۶	<p>معراج مصطفوی ﷺ کی تین حیثیات</p> <p>۱۔ بشریت</p> <p>۲۔ ملکیت و نورانیت</p> <p>۳۔ مظہریت و حقیقت</p> <p>فصل سوم:</p>	
۳۷	<p>رویت باری تعالیٰ کی تحقیق</p> <p>انکار رویت کی دو ممکنہ صورتیں</p>	



صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	<p>لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ کی تشریح</p> <p>حضرت ابن عباس ؓ کا موقف</p> <p>دوسری آیت کی تشریح</p> <p>سفر معراج رب کائنات کی قدرت کاملہ کا مظہر</p> <p>انکارِ رویت کی تیسری دلیل</p> <p>اللہ تعالیٰ خالق ہے</p> <p>امکانِ رویت باری تعالیٰ</p> <p>رویت باری پر متفق علیہ حدیث</p> <p>دولتِ دیدارِ الہی حضور ﷺ کے لئے مختص تھی</p> <p>دیدارِ الہی کے بارے میں علمائے امت کی تصریحات</p> <p>بارگاہِ خداوندی میں مسلسل حاضری</p> <p>چشمانِ مصطفویٰ ﷺ دیدارِ الہی میں محو تھیں</p> <p>دل نے تجلیاتِ الہی کی تصدیق کی</p> <p>سفر مراجعت</p> <p><u>فصل چہارم:</u></p> <p>ازالہ شبہات</p> <p>پہلا شبہ: معراج جسمانی یا روحانی</p>	۳۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	دوسرا شبہ: انتہائے سفر معراج	
	تیسرا شبہ: معراج کی غرض و غایت	
	آیات معراج کی تفسیر و توضیح	
	آیات معراج باہم متعارض نہیں	
	اختلاف روایات کا سبب	
۳۹	ماخذ معجزہ معراج النبی ﷺ	
۴۰	اشاریہ	
۴۱	کتابیات	

## پیش لفظ

معراج النبی ﷺ تاریخ انسانی کا ایسا حیرت انگیز، انوکھا اور نادر الوقوع واقعہ ہے جس کی تفصیلات پر عقل ناتواں آج بھی حیران اور ششدر ہے۔ اسے کچھ سمجھائی نہیں دیتا کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیونکر ہو گیا۔ مادی فلسفہ کی خوگر اور اربعہ عناصر کی بے دام باندی دنیاوی عقل یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ پیکر انسانی ان حدود کو عبور کر کے لامکان کی رفعتوں تک بھی پرواز کر سکتا ہے اور وہ کچھ دیکھ لیتا ہے جسے دیکھنے کی انسانی نظر میں تاب نہیں۔ اس لئے حدود و قیود کے پابند لوگ اس بے مثال عروج و ارتقاء پر بہت حیران ہوتے ہیں اور اسے من و عن اور مستند انداز سے مذکورہ تفصیلات کے ساتھ بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ایسے ایسے شبہات وارد کرتے ہیں کہ دلائل سے غیر مسلح ذہن اور عام آدمی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

حضرت العلامة، نابضہ عصر، مفکر اسلام، قائد انقلاب جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد طارہ القادری مدظلہ کو اللہ پاک نے ہر موضوع پر بات کرنے، اسے سلجھانے اور شکوک و شبہات کو زائل کرنے کا جو خاص ملکہ اور سلیقہ عطا فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ ضرورت تھی کہ اپنے خاص انداز میں اس موضوع کی طرف توجہ دیں اور اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں چنانچہ مخصوص حالات و واقعات میں مختلف مقامات پر انہوں نے اس مقدس واقعہ کے مختلف پہلوؤں کو موضوع سخن بنایا اور علم و حکمت کی شمع فروزاں کرنے کا فریضہ سرانجام دیا اور نہ صرف یہ کہ اہل ایمان کا ایمان تازہ ہوا بلکہ ذہن میں چھپے ہوئے شکوک و شبہات کے کانٹے بھی نکل گئے۔

آپ کے یہ خطابات ابھی تک کتابی شکل میں منظر عام پر نہیں آئے تھے۔ ان کی بے پناہ افادیت کے پیش نظر ضرورت تھی کہ انہیں جلد از جلد مدون کر کے قارئین کے علمی ذوق کی نذر کیا جائے۔ اس ایمان افروز موضوع پر پروفیسر صاحب کے خطابات کثیر تھے۔ چونکہ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو دو سورتوں میں بیان فرمایا اور دونوں جگہوں پر تفصیلات مختلف ہیں اس لئے قارئین کی سہولت کے لئے اس موضوع کو انہی دو سورتوں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں سورہ

الاسراء اور سورہ النجم کے تحت چند مرتبہ خطبات شامل ہیں۔

تدوین نو کے بعد اب یہ کتابی صورتی و معنوی حسن سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے، پڑھ کر ہی آپ اس کی افادیت کا انداز لگا سکیں گے لیکن میں اتنا عرض کر دوں کہ حضرت محترم قادری صاحب قبلہ مدظلہ نے اس موضوع کے کسی ضروری پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ علم و فضل کی بلندیوں سے جھانک کر ایسے محققانہ اور بصیرت افروز انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ دل میں نور عشق اُمڈ آتا ہے اور تصور کو پر پرواز لگ جاتے ہیں اور وہ خود لامکاں کی رفعتوں میں گم ہو جاتا ہے۔

یہ سائنسی دور ہے جدید اختراعات نے ذہنوں کو اپنے طلسم میں جکڑ رکھا ہے۔ ان کے حوالے سے بات کی جائے تو وہ دلوں میں اتر جاتی ہے اور نئی تعلیم یافتہ پود اسے فوراً تسلیم کر لیتی ہے۔ قائد محترم نے سائنسی نقطہ نظر سے بھی اپنے منفرد انداز میں حقائق کو ایسے اجاگر کیا ہے کہ ذہن آفاقی سچائی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ موضوع ایک مادہ پرست ذہن کے لئے بھی دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ یہ واقعہ طی زمان و مکاں کی بھی ایک نادر مثال ہے۔ حضرت قبلہ قادری صاحب نے اس حوالے سے بھی امکان معراج کو ثابت کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ قربت باری تعالیٰ معراج جسمانی اس پر موافقین و مخالفین کے دلائل، شق سدر، نمازوں میں تخفیف کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو راستہ میں کھڑا کرنے کی حکمت، شرہ عروج و نزول اور اس نوع کے بہت سے علمی پہلو ہیں جو سائنٹیفک اور مدلل انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس موضوع پر یہ کتاب ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے جسے پڑھ کر نہ صرف شکوک و شبہات کا ازالہ ہوتا ہے بلکہ نئی معلومات بھی ملتی ہیں حضور نبی اکرم ﷺ کے مقامات و مراتب کا پتہ چلتا ہے اور نتیجے میں نسبت غلامی استوار ہوتی ہے، محبت بڑھتی ہے جو ایک سچے امتی کی متاع بے بہا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت قبلہ قادری مدظلہ کو امت کی اس روحانی قیادت و رہنمائی پر اپنی رضا و رحمت عطا فرمائے اور حضور ﷺ کا اور زیادہ فیضان نصیب فرمائے۔ آمین

شیخ الحدیث محمد معراج الاسلام

منہاج انٹرنیشنل یونیورسٹی لاہور

باب اوّل

# حقیقتِ معجزہ

## فصل اوّل

### تفہیمِ معجزہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس کائناتِ ارض و سماء میں عجائبات کی ایک دُنیا آباد ہے۔ ہر لمحہ پھیلتی ہوئی یہ کائنات جوار بوں، کھربوں کھکشاؤں پر مشتمل ہے، وسعت پذیری کے عمل سے گزرنے کے ساتھ ساتھ داخلی اور خارجی حوالوں سے بھی تغیر پذیر ہے۔ گویا ہر لمحہ تغیرات کا لمحہ ہے، ہر ساعت نئے انکشافات کی ساعت ہے۔ اس کائناتِ رنگ و بو میں خالقِ کائنات کے فرستادہ رسولانِ مکرم اور انبیائے مختشم کے دستِ حق پرست پر قدرتِ خداوندی سے رُونا ہونے والے ماورائے عقل واقعات کو ”معجزہ“ کہتے ہیں۔ معجزے کی کاملاً مادی توجیہ کسی طور بھی ممکن نہیں۔ اس کا تعلق ایمان، ایقان اور وجدان سے ہوتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی سبک سیر ترقی کے باعث جدید تر سائنسی انکشافات قدم قدم پر حیران کن حقائق پر سے پردہ اٹھا رہے ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور تصویرِ حیرت بن کر اپنے دامنِ شعور کی تنگی کے احساس کا ماتم کرنے لگتی ہے۔ اگرچہ سائنس کائنات کے اُن گنت راز ہائے سر بستہ سے بھی پردہ اٹھاتی دکھائی دیتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ ان معجزانہ حقائق کی مادی توجیہات پیش کرنے سے یکسر عاجز ہے جو خالقِ ارض و سماء نے اپنے انبیائے مختشم کے دستِ حق پرست پر صادر فرمائے۔ عقل انہیں تسلیم کرے یا نہ کرے یا خود بھی اشکالات کا شکار ہو یا ذہنِ انسانی کو بھی غبارِ تشکیک سے آلودہ کرے، حقائق بہر حال حقائق ہیں، اُن کے انکار سے اُن کی نفی لازم نہیں آتی۔ اگر ہم غور و فکر اور تدبّر سے مادّے ہی کے اسرار و رموز پر سے

پردہ اٹھائیں تو کائنات میں رُونا ہونے والے محیر العقول واقعات کی توثیق بھی ملتی نظر آتی ہے۔ سائنس جو مادّے کی کائناتی سچائیوں کی تعبیر اور انسانی زندگی میں اُس کے عملی اطلاق پر مامور ہے، واضح اور روشن زبان میں دراصل عالمِ اسباب و علل کے تحت رُونا ہونے والے اُنہی محیر العقول واقعات کی مادّی توجیہ و تعبیر کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ سائنسدان مادّے کی ارتقائی صورتوں کے مسلسل مشاہدے کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچتے دکھائی دے رہے ہیں کہ کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے۔

سائنس عالمِ اسباب اور اللہ ربّ العزّت کی طے کردہ فطرت کے قوانین کے مطالعہ کا نام ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اِن الفاظ میں ذکر کیا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَ فِي  
 أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ  
 الْحَقُّ۔

ہم عنقریب اُنہیں دُنیا میں اور خود اُن  
 کی ذات میں (اپنی قدرت و حکمت  
 کی) نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک

(حم السجدہ، ۵۳:۴۱) کہ اُن پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے کہ

یہ (قرآن) حق ہے۔

عالمِ اسباب کو اپنا موضوعِ بحث بنانے والی سائنس عالمِ مافوق الفطرت کے مطالعہ سے تو کجا اُس کی ابجد کے شعور سے بھی محروم ہے۔ آج جو اعمال و افعال ہم اسباب اختیار کر کے سرانجام دیتے ہیں اور اُنہیں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے مظہر قرار دیتے ہیں، اُن میں سے بہت سے اعمال اسباب و علل کے بغیر سائنسی زبان میں یکسر ناممکن قرار پاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ سائنس اپنے مخصوص دائرہ کار (عالمِ اسباب) میں مقید ہونے کے سبب ماؤن الاَسباب اور مافوق الفطرت افعال کا سرانجام دینا تو کجا اُن کی تعبیر و توجیہ اور تفہیم و توثیق کے قابل بھی کسی صورت نہیں ہو



سکتی۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ معجزہ کسی مادی تعبیر و تفہیم یا توجیہ و توشیح کا محتاج نہیں، مقصود صرف اس امر کی نشاندہی ہے کہ جن حقائق کا انکشاف حضور رحمت عالم ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل وحی الہی اور علم نبوت کی بنیاد پر کیا تھا، آج سائنس اپنے ارتقائی سفر کے ان گنت مراحل طے کرنے کے بعد ان حقائق کی اپنی سی جزوی تعبیر و توجیہ کرنے کے قابل ہوئی ہے۔ یقیناً اس بات کا امکان موجود ہے کہ سائنس آگے چل کر اپنے موجودہ نظریات سے رُجوع کر لے یا ان میں ترمیم و اضافہ کو ضروری گردانے، لیکن ہمارے لئے تاجدارِ کائنات ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلا ہوا ہر حرف، حرفِ آخر ہے اور یہی ہماری ایمانیات کا بنیادی پتھر ہے۔

### معجزہ کا لغوی مفہوم

لفظِ معجزہ کا مادّہ اشتقاق: عَجَزَ، يَعْجِزُ عَجْزًا ہے، جس کے معنی: ”کسی چیز پر قادر نہ ہونا“، ”کسی کام کی طاقت نہ رکھنا“ یا ”کسی امر سے عاجز آ جانا“ وغیرہ ہیں۔ محاورہ عرب میں کہتے ہیں: عَجِزَ فُلَانٌ عَنِ الْعَمَلِ ”فُلان آدمی وہ کام کرنے سے عاجز آ گیا۔“ ای کبر و صار لا يستطيعه فهو عاجز (المجد: ۴۸۸) یعنی اُس کام کا بجا لانا مشکل بھی ہے اور وہ اُس کام کو کرنے کی استعداد بھی نہیں رکھتا..... اُسے رُو بہ عمل لانے کی بنیادی صلاحیت اُس میں موجود نہیں، اس لئے وہ یہ کام کرنے سے عاجز ہے۔ المفردات میں امام راغب اصفہانی معجزے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

و العجز أصله التأخر عن الشيء ‘ و ”عجز“ کے اصلی معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانے یا اُس کے ایسے وقت میں مؤخرہ..... و صار في التعارف حاصل ہونے کے ہیں جبکہ اُس کا وقت

إِسْمًا لِلْقُصُورِ عَنْ فِعْلِ الشَّيْءِ  
وَهُوَ ضِدُّ الْقُدْرَةِ۔  
نکل چکا ہو..... عام طور پر یہ لفظ کسی کام  
کے کرنے سے قاصر رہ جانے پر بولا  
جاتا ہے اور یہ ”القدرة“ کی ضد ہے۔  
(المفردات، بذیل عجز: ۵۴۷)

## معجزہ کا اصطلاحی مفہوم

مختلف ادوار میں ارباب علم و فن نے معجزہ کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔  
چند اہم تعریفات یہ ہیں:

۱- أمر خارق العادة يعجز البشر  
عن أن يأتوا بمثلہ۔  
**معجزہ** اُس خارق العادت چیز کو  
کہتے ہیں جس کی مثل لانے سے  
فرد بشر عاجز آجائے۔  
(المنجد: ۴۸۸)

۲- قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں:  
إِعْلَمَنَّ أَنَّ مَعْنَى تَسْمِيَتِنَا مَا جَاءَتْ  
بِهِ الْأَنْبِيَاءُ مُعْجَزَةً هُوَ أَنَّ الْخَلْقَ  
عَجَزُوا عَنِ الْإِتْيَانِ بِمِثْلِهَا۔  
یہ بات بخوبی جان لینی چاہئے کہ جو کچھ  
انبیاء علیہم السلام اپنے ساتھ لے کر  
آتے ہیں اُسے ہم نے معجزے کا نام  
اس لئے دیا ہے کہ مخلوق اُس کی مثل  
لانے سے عاجز ہوتی ہے۔  
(الشفاء، ۱: ۳۴۹)

۳- إمام خازنؒ معجزہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:  
المعجزة مع التحدى من النبى  
قائمة مقام قول الله عزّ وجلّ:  
”صَدَقَ عَبْدِي فَأَطِيعُوهُ وَ  
اتَّبَعُوهُ“ و لأن معجز النبى  
**معجزہ** اللہ کے نبی اور رسول کی  
طرف سے (جملہ انسانوں کے لئے)  
ایک چیلنج ہوتا ہے اور باری تعالیٰ کے  
اس فرمان کا آئینہ دار ہوتا ہے کہ:

”میرے بندے نے سچ کہا، پس تم اُس کی (کامل) اطاعت اور پیروی کرو۔“ اس لئے کہ نبی و رسول کا معجزہ جو کچھ اُس نے فرمایا ہوتا ہے اُس کی حَقّانیت اور صداقت پر دلیلِ ناطق ہوتا ہے اُسے (عرفاً و شرعاً) معجزہ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اُس کی مثل (نظیر) لانے سے مخلوقِ انسانی عاجز ہوتی ہے۔

شاهدٌ علی صدقہ فیما یقولہ و  
سُمیت المعجزة معجزةً لأن  
الخلق عجزوا عن الإتيانِ  
بمثلها۔  
(تفسیر الخازن، ۲: ۱۲۴)

**معجزہ** اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اُس کے برگزیدہ نبی کے دستِ مبارک پر اظہار ہے تاکہ وہ اپنی اُمت اور اہل زمانہ کو اُس کی مثل لانے سے عاجز کر دے۔

۴- المعجزة عبارة عن إظهار  
قدرة الله سبحانه و تعالى و  
حکمتہ علی ید نبی مرسل بین  
أُمَّتہ بحیث یعجز أهل عصره  
عن إیراد مثلها۔

(معارج النبوة، ۴: ۳۷۷)

۵- ابوشکور سالمی نے بھی معجزہ کی بڑی جامع تعریف کی ہے، فرماتے ہیں:

**معجزہ** کی تعریف یہ ہے کہ سوال اور دعویٰ کے بعد (اللہ کے رسول اور نبی کے ہاتھ پر) کوئی ایسی خارقِ عادت چیز ظاہر ہو جو ہر حیثیت سے محال نہ ہو

حد المعجزة أن يظهر عقيب  
السؤال و الدعوى ناقضاً للعادة  
من غير إستحالة بجميع الوجوه  
و يعجز الناس عن إتيان مثله

بعد التجهد و الإجتهد إذا كان  
بهم حذاقة و رزانة في مثل  
أُس قسم کے معاملات میں پوری فہم و  
بصیرت رکھتے ہوئے بھی اُس کے  
تلك الصنعة۔

(کتاب التہید فی بیان التوحید از ابوشکور: ۷۱) مقابلے سے عاجز ہوں۔

مندرجہ بالا تعریفات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ  
۱- معجزہ من جانب اللہ ہوتا ہے لیکن اُس کا صدور اللہ کے برگزیدہ نبی اور  
رسول کے ذریعہ ہوتا ہے۔

۲- معجزہ مروجہ قوانین فطرت اور عالم اسباب کے برعکس ہوتا ہے۔

۳- معجزہ نبی اور رسول کا ذاتی نہیں بلکہ عطائی فعل ہے اور یہ عطا اللہ رب العزت  
کی طرف سے ہوتی ہے۔

۴- معجزے کا ظہور چونکہ رحمانی اور اُلوی قوت سے ہوتا ہے اس لئے عقلِ انسانی  
اُس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے اور تصویرِ حیرت بن کر سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جاتی  
ہے۔ وہ اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی۔

## اصطلاح معجزہ کی حقیقت

محدثین، مفسرین اور مفکرین نے ہر ہر مسئلہ کے ہر پہلو پر علم و حکمت کے  
موتی بکھیرے ہیں اور کمالِ عرق ریزی سے اُمور و مسائل کی گتھیاں سلجھانے کی سعی کی  
ہے۔ ارباب علم و دانش نے اپنے محدود پیرائے میں معجزہ کے بارے میں بھی علمی،  
فکری اور اعتقادی سطح پر حرف حق کی تلاش کا سفر جاری رکھا ہے اور تحقیق و جستجو کے محاذ پر  
داوِ شجاعت دی ہے۔ اس ضمن میں بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ ”معجزہ“ کا لفظ اللہ  
رب العزت نے قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی استعمال نہیں کیا۔ اس لئے وہ

احتیاطاً معجزات کے بیان اور اُن کے اثبات کے لئے قرآنی لفظ ”آیات“ کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ استعمال یقیناً دُرست ہے لیکن قرآن کا اُسلوب ہمارے پیش نظر رہنا چاہیئے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ قرآن اصطلاحات اور مخصوص الفاظ کو بیان نہیں کرتا بلکہ وہ فقط نفسِ مضمون دیتا ہے اور ایمانیات کے بنیادی تصورات سے بحث کرتا ہے۔ بعد ازاں اہلِ علم اُسے اصطلاحی زبان دے کر ترسیلِ مفہوم کی سعی کرتے ہیں۔ یہی حال تصوف کا بھی ہے۔ قرآن مجید میں تصوف کے لئے لفظ ”تزکیہ“ اور حدیث میں ”احسان“ کا لفظ آیا ہے مگر جب وہ باقاعدہ علم بنا تو اُسے تصوف کا نام دیا گیا۔ اسی طرح دیگر اصطلاحاتِ علوم تشکیل پذیر ہوئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظِ آیات میں لفظِ معجزہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظِ ”آیات“ میں عمومیت ہے جبکہ لفظِ ”معجزہ“ میں خصوصیت ہے۔ لفظِ ”معجزہ“ اصل فعل کے صدور اور وقوع کی کیفیت کو بھی بیان کرتا ہے۔ انسان کی ساری ظاہری اور باطنی صلاحیتیں اور قوتیں معجزہ کے صدور پر عاجز رہ جاتی ہیں۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اس فعل کو فقط آیات سے تعبیر نہیں کیا بلکہ متعدد دوسرے الفاظ کے ذریعہ بھی اُس کے بنیادی تصور کو واضح کیا ہے۔

## لفظ ”آیت“ کا مفہوم

لفظِ آیت کا معنی عموماً نشانی (علامت) لیا جاتا ہے، تاہم یہ لفظ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

### ۱- آیت بمعنی قرآن کا جملہ

خدائے بزرگ و برتر نے کفار و مشرکین کو کھلا چیلنج دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا      آپ فرما دیجئے: ”پھر تم اُس کی مثل

مَنْ اسْتَطَاعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ O کوئی (ایک) سورت لے آؤ اور اپنی مدد کے لئے (اللہ کے سوا جنہیں

(یونس، ۱۰: ۳۸) تم بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو، O

قرآن کے منفرد اسلوب اور غیر متزلزل اعتماد کی نظیر ممکن ہی نہیں۔ کفار و مشرکین اور اُن کے حواریوں کو قرآن کا کھلا چیلنج ہے کہ وہ کوئی ایک سورت یا آیت یا جملہ ہی بنا کر لائیں۔ قرآن بذات خود حضور ختمی المرتبت ﷺ کا ایک دائمی معجزہ ہے اور کسی معجزہ کی مثال پیش کرنے سے عقلِ انسانی عاجز رہتی ہے۔

## ۲- آیت بمعنی واضح نشانی

قرآن میں آیت کا لفظ واضح نشانی کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ امام راغب اصفہائی نے ”المفردات“ میں لکھا ہے:

هي العلامة الظاهرة و حقيقته  
لكل شئ ظاهر هو ملازم لشيئ  
لا يظهر ظهوره۔  
اس کے معنی علامتِ ظاہرہ یعنی واضح  
علامت کے ہیں۔ دراصل ”آیۃ“ ہر  
اُس ظاہر شے کو کہتے ہیں جو دوسری  
ایسی شے کو لازم ہو جو اُس کی طرح  
ظاہر نہ ہو۔  
(المفردات، بذیل اُئی: ۱۰۱)

اس معنی کے لحاظ سے اللہ رب العزت نے انسان کو مطالعۃ النفس و آفاق کی طرف قرآن حکیم میں یوں مخاطب کیا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَ فِي  
أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ  
الْحَقُّ۔  
ہم عنقریب انہیں دنیا میں اور خود اُن  
کی ذات میں اپنی (قدرت و حکمت کی)  
نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن

(الہجرہ، ۴۱: ۵۳) پر کھل جائیگا کہ یہ (قرآن) حق ہے۔

### ۳- آیت بمعنی خارقِ عادت

آیت کا لفظ قرآن حکیم میں خارقِ عادت کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ خارقِ عادت ایسے خلافِ معمول افعال و واقعات کو کہتے ہیں جو عادتِ جاریہ کے برعکس ہوں اور اسباب و علل کے احاطہ و ادراک میں نہ آ سکیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ-  
اور جو لوگ علم نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ:

”اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں فرماتا یا  
(البقرہ، ۲: ۱۱۸) ہمارے پاس (براہِ راست) کوئی

نشانی کیوں نہیں آتی؟“

گویا ہمیں ایسے واقعات کیوں نہیں دکھائے جاتے جو ہماری عقل کو عاجز کر دیں اور ہم انہیں دیکھ کر دائرۂ ایمان میں داخل ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے براہِ راست اُن سے گفتگو کرنے کو یہ اللہ کی نشانیوں یعنی معجزات میں شمار کرتے۔ آیتِ مذکورہ میں اللہ کے نبی سے معجزہ طلب کیا جا رہا ہے۔ باری تعالیٰ سے ہمکلامی خارقِ عادت بات ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَهُ بَيِّنَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ-  
اور کسی رسول کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ  
کوئی نشانی (کوئی آیت، کوئی معجزہ)

(المومن، ۴۰: ۷۸) اللہ کے حکم کے بغیر لے آئے۔

## قرآنی اسلوب کی مزید مثالیں

خارقِ عادت واقعات کے لئے کلامِ مجید میں لفظ ”آیت“ کے علاوہ تین  
الفاظ اور بھی مذکور ہیں:

### ۱- مُبْصِرَةٌ

یہ لفظ بھی قرآن میں معجزہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی ایسی بین و واضح  
نشانِی جو بذاتِ خود اس طرح ظاہر ہو کہ اُس کے دیکھنے سے دیکھنے والے کی آنکھیں  
کھل جائیں اور اُس پر حقیقت اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ واضح اور روشن ہو جائے،  
تشکیک و شبہات کا غبار چھٹ جائے اور کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے:

وَ اتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً۔ اور ہم نے قومِ ثمود کو (صالح علیہ السلام کی)  
(بنی اسرائیل، ۵۹:۱۷) اُونٹنی (کی) کھلی نشانِی دی تھی۔

قومِ ثمود کی فرمائش پر اُونٹنی کا ظہور ایک معجزہ تھا۔ وہ ایک ایسی اُونٹنی تھی جو اللہ  
رب العزت کی قدرتِ کاملہ کی آئینہ دار تھی۔

### ۲- بَيِّنَةٌ

دوسرا لفظ جو قرآن میں معجزہ کے مفہوم کی وضاحت کے لئے استعمال ہوا ہے  
”بَيِّنَةٌ“ ہے۔ بینۃ ایسی کھلی دلیل کو کہتے ہیں جو فریقِ مخالف کو انکار کی صورت میں  
جست و ثبوت کے طور پر پیش کی جائے۔ اس لحاظ سے اس کا اطلاق معجزہ پر بھی ہوتا  
ہے۔ جب اس لفظ کے ساتھ آیت کا لفظ بھی آ جائے تو اس کے معنی کی مزید تائید بھی  
ہوتی ہے اور اس مفہوم کو تقویت بھی عطا ہوتی ہے:

قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ بَيِّنَةٌ تَمَّارَةٌ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ۔  
 طرف سے ایک روشن دلیل آ گئی  
 ہے۔ یہ اللہ کی اُونٹنی تمہارے لئے نشانی  
 ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:  
 وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ  
 بَيِّنَاتٍ۔  
 اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو  
 روشن نشانیاں دیں۔  
 (الاسراء، ۱۷: ۱۰۱)

مذکورہ بالا دونوں آیات کریمہ میں بینۃ اور آیتہ کے الفاظ تقدیم و تاخیر کے  
 ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ دونوں الفاظ معجزہ کے مفہوم کو واضح کر رہے ہیں۔ بینۃ اور  
 آیتہ کے الفاظ سے معجزہ کے علاوہ کوئی دوسرا مفہوم اخذ نہیں کیا جاسکتا۔

### ۳۔ بُرْهَانٌ

قرآن حکیم میں معجزہ کے لئے استعمال ہونے والا تیسرا لفظ ”بُرْهَانٌ“ ہے۔  
 برہان ایسی دلیل کو کہتے ہیں جو فریقِ مخالف کے تمام دلائل سے زیادہ وزنی اور ان پر  
 حاوی ہو اور کسی تنازع کا فیصلہ کر دینے والی ہو:

أَسْأَلُكَ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ  
 بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ وَ اضْمُمْ  
 إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذَلِكَ  
 بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَ  
 مَلَائِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ O  
 (القصص، ۲۸: ۳۲)

اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر ڈالو (اور)  
 پھر نکالو) وہ بلا کسی عیب (یعنی بیماری  
 وغیرہ) کے سفید (روشن ہو کر) نکل  
 آئے گا اور خوف (کو دور کرنے) کے  
 لئے اپنے بازو اپنے پہلو سے ملا لیا کرو۔  
 پس یہ دو دلیلیں (یعنی دو معجزے)

تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور  
اُس کے سرداروں کی طرف ہیں۔ بیشک  
وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں ۝

یہاں قرآن حکیم میں معجزہ کے لئے لفظ برہان استعمال ہوا ہے یعنی ایسی  
دلیل جس کے سامنے کوئی دلیل کام نہ آ سکے۔ یہ ایسی برہان قاطعہ تھی جس کے سامنے  
بنی اسرائیل کے سارے جادو گروں کا نشہ ہرن ہو گیا۔ اُن کے طلسم کا جِصا رٹوٹ گیا،  
اُن کا فنِ جادو گری ناکام و لا جواب ہو گیا اور اُن کی جملہ قوتیں بے بسی کی تصویر بن کر رہ  
گئیں۔

## خارقِ عادت افعال کی اقسام

اس کارخانہ قدرت میں اُن گنت دُنیا ئیں آباد ہیں۔ انسان اَشرفُ  
المخلوقات ہے لیکن اس کائنات میں وہ تنہا ہی مخلوقِ خدا نہیں۔ خالق کائنات کی مخلوقات  
کا شمار ممکن ہی نہیں۔ نجانے اِن خلاؤں میں گردش کرنے والے اربوں کھربوں  
سیاروں میں زندگی کن اشکال اور کن مراحل میں ارتقاء پذیر ہے! اگر ہم صرف اس کرۂ  
ارضی پر بسنے والی مخلوقات، چرند، پرند، حشرات الارض اور آبی مخلوقات کی دُنیاؤں کی  
سیر کو نکلیں اور اِن مخلوقات کے معمولات کا مشاہدہ کریں تو صنّاعِ ازل کی قوتِ تخلیق کے  
تصوّر کا ہلکا سا پرتو بھی ذہنِ انسانی کی تنگناؤں میں سماتا نظر نہیں آتا۔ اسی طرح اس کرۂ  
ارضی پر خلافِ معمول رُونما ہونے والے واقعات کا تسلسل بھی حیطہ شعور میں آنا ممکن  
نہیں، یہ سلسلہ اس حیرت کدے میں ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا،  
البتہ نبوت کی طرح معجزات کا دروازہ بھی نبی آخرا الزماں ﷺ کی حیاتِ مقدّسہ کے بعد  
بند ہو چکا ہے۔ واضح رہے کہ تصرفاتِ حضور ﷺ کا سلسلہ آج بھی جاری ہے اور

قیامت تک جاری رہے گا کہ قیامت کے دن بھی آپ ﷺ ہی کے پرچم شفاعت کے سائے تلے اولادِ آدم کو ردائے عافیت نصیب ہوگی۔

انسانی زندگی میں دو طرح کے افعال وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ایک وہ افعال جو معمول کے مطابق انجام پاتے ہیں اور تھوڑا سا غور و فکر کرنے سے اُن کی توجیہ ممکن ہوتی ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں ان افعال و واقعات کی اُن گنت مثالیں پائی جاتی ہیں جیسے کسی شخص کا بیماری کی وجہ سے فوت ہو جانا۔ دُوسرے وہ افعال جو معمول سے ہٹ کر بلکہ خلافِ معمول ہوتے ہیں اور اُن کی کامل توجیہ کسی طور پر بھی ممکن نہیں ہوتی۔ اُنہیں خارقِ عادت افعال کہا جاتا ہے۔ یہ خلافِ معمول واقعات مختلف لوگوں سے مختلف شکلوں میں صادر ہوتے ہیں۔ ان خلافِ معمول واقعات کو چار مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

- ۱- معجزہ
- ۲- ارہاص
- ۳- کرامت
- ۴- استدراج

## ۱- معجزہ

جب کسی نبی اور رسول کو خلعتِ نبوت و رسالت سے سرفراز کیا جاتا تو کفار و مُشرکین دعویٰ نبوت کی صداقت کے طور پر اُس سے دلیل طلب کرتے۔ اس پر قدرتِ خداوندی سے جو خارقِ عادت واقعہ اُس نبی یا رسول کے دستِ حق پرست سے صادر ہوتا اُسے معجزہ کہتے ہیں۔

## ۲- اِرھاص

وہ خلافِ معمول واقعات یا عجائبات جن کا ظہور کسی نبی یا رسول کی ولادتِ باسعادت کے وقت یا پیدائشِ مبارکہ سے پہلے ہوتا، اِرھاص کہلاتے ہیں۔ اُن واقعات کا رونا ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ پیدائش ایک غیر معمولی پیدائش ہے۔ مثلاً حضور رحمتِ عالم ﷺ کی ولادتِ پاک سے پہلے دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آسمان سے ستارے سائبان کی طرح زمین پر اتر آئے ہیں اور کعبہ کے بت سجدہ ریز ہو گئے ہیں۔ سیدہ کائنات بی بی آمنہؓ کا ارشادِ گرامی ہے کہ سر کا ﷺ کی تشریف آوری کے وقت میں نے سرزمینِ مکہ سے ہزاروں میل کے بعد پر واقع شام کے محلات دیکھے اور یہ کہ میں نے اپنے ارد گرد خوشبوئیں محسوس کیں۔ کفار و مشرکین مکہ چونکہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اس لئے اس ظلم کے مستقل خاتمے کی علامت کے طور پر جس سال سرورِ کائنات ﷺ کی ولادتِ باسعادت ہوئی، اُس سال شہرِ مکہ میں کوئی لڑکی پیدا نہ ہوئی۔ آمدِ مصطفیٰ ﷺ کے صدقے میں ربِّ کائنات نے سب کو فرزند عطا فرمائے۔ گویا کارکنانِ قضا و قدر زبانِ حال سے اعلان کر رہے تھے کہ والی کون و مکاں ﷺ کی تشریف آوری کسی عام انسان کی آمد نہیں۔ یہ تمام خارقِ عادت واقعات اِرھاص کہلاتے ہیں۔

## ۳- کرامت

کرامت اُن خارقِ عادت افعال کو کہتے ہیں جو مومنین، صالحین اور اولیائے کرام کے ہاتھوں سے صادر ہوتے ہیں۔ تاریخِ اسلام اولیاء و صوفیاء کی کرامات سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً سیدنا سلیمان علیہ السلام کے صحابی حضرت آصف برخیا کا پلک جھپکنے

سے قبل ملکہ سبا کا تخت آپ کی خدمت میں پیش کر دینا، امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا دورانِ خطبہ منبر پر ہی میدانِ جنگ کا مشاہدہ کرنا اور لشکرِ اسلام کے سپہ سالار کو عسکری ہدایات دینا اور حضرت خواجہ اجمیرؒ کے ہاتھ پر لاکھوں ہندوؤں کا قبولِ اسلام اُن کی کراماتِ جلیلہ میں سے ہے۔

## ۴۔ استدراج

یہ وہ خلافِ عادت افعال ہوتے ہیں جو کسی کافر، مُشرک، فاسق، فاجر اور ساحر کے ہاتھ سے صادر ہوں۔ مثلاً: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں سامری جادوگر نے سونے کا بچھڑا بنا کر اُس کے منہ سے آواز پیدا کر لی جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل نے اُس کی پرستش شروع کر دی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوائے نبوت کو چیلنج کرتے ہوئے فرعون کے دربار میں جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو وہ اُڑدھابن گئیں۔ اس قبیل کے تمام اعمال استدراج کی ذیل میں آتے ہیں۔

## حقیقتِ معجزہ

جہاں عقل عاجز آ جاتی ہے وہاں سے معجزے کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ معجزہ ربِّ کائنات کی قدرت اور جلالت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ وہ خارقِ عادت واقعات ہوتے ہیں جو اللہ کے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں سے صادر ہوتے ہیں۔ اُن کا بظاہر کوئی سبب نظر آتا ہے اور نہ کوئی اُن کی علت دکھائی دیتی ہے۔ یہ عقل کے دائرہِ ادراک اور حیثہٴ شعور میں نہیں آتے، لیکن جب انسان اپنے سر کی آنکھوں سے اُن کا ظہور ہوتے دیکھتا ہے تو سر تسلیم خم کرنے کے سوا اُس کے پاس کوئی چارہ نہیں رہتا اور وہ کہہ اُٹھتا ہے

کہ یہ معجزہ اللہ کے نبی سے صادر ہوا ہے، اس لئے یہ حق ہے۔ وہ لوگ جو معجزات و کرامات کے رد و قبول کا معیار اپنی سوچ، عقل، تجربہ اور مطالعہ کو قرار دیتے ہیں نہ صرف بہت بڑے اعتقادی مغالطے کا شکار ہو جاتے ہیں بلکہ علم کے تکبر میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر لکڑی آگ کے الاؤ میں گر کر جلا نہ کرے تو عقل کبھی بھی ذہنِ انسانی کی یہ رہنمائی نہ کرے کہ آگ جلانے والی شے ہے۔ اس لئے کہ جو بات مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہو عقل اُسے ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔ مثلاً: اللہ کے برگزیدہ نبی سیدنا ابراہیم علیہ السلام بے خطر آتشِ نمرود میں کود پڑیں اور آگ گلزار بن جائے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام قُمْ بِاَذْنِ اللہ کہیں تو قبر سے مُردہ اُٹھ کھڑا ہو، حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض اپنی آنکھوں سے لگائیں تو آپ علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئے، حضرت صالح علیہ السلام پہاڑ پر اپنی چھڑی مبارک ماریں تو اُس کے اندر سے اُونٹنی برآمد ہو جائے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک درباری بچھپکنے سے پہلے اور جسم کو غائب کئے بغیر ہزاروں میل دُور سے ملکہ بلقیس کا تخت لا کر حاضر کر دے یا پھر انگشتِ مصطفیٰ ﷺ اُٹھے اور چاند دو ٹکڑے ہو جائے، ڈوبتے سورج کی سمت دستِ اقدس اُٹھائیں تو وہ غروب ہونے کے بعد واپس لوٹ آئے اور آقائے دو جہاں ﷺ کے جسمِ اطہر کے لمس سے کھجور کا مرا ہوا درخت پھر سے زندہ ہو جائے تو عقل اپنے دامنِ شعور کو تار تار نہیں کرے گی تو اور کیا کرے گی! ورائے عقل سرزد ہونے والے انہی واقعات کو معجزہ کہتے ہیں۔ عقل ان معجزات کو سمجھنے سے معذور ہے۔

فصل دوم

# ضرورتِ معجزہ

## قبول حق اور انسانی فطرت

کشور ایمان و ایقان تسلیم و رضا کی خوئے و نواز سے آباد ہے، لیکن حق و صداقت کو قبول کرنا عقلی اور روحانی دونوں حوالوں سے انسان کا بنیادی مسئلہ رہا ہے۔ عقل و شعور کے سارے دائرے انسان کے اسی بنیادی مسئلے کی ماہیت اور اصلیت کو سمجھنے کے لئے مصروفِ عمل ہیں۔ تاریخ ارتقاء نسلِ انسانی اس امر کی شاہدِ عادل ہے کہ حق و صداقت کو قبول و تسلیم کرنے کے حوالے سے انسانی فطرت ہمیشہ دو طریقوں سے مانوس رہی ہے۔ ایک یہ کہ مدعیِ حق کی صداقت اور حقائقیت دلائل و براہین کے ذریعہ ثابت ہو جائے اور ذہنِ انسانی اُسے دل و جان سے قبول کر لے۔ دوسرا یہ کہ دلائل و براہین کے ساتھ ساتھ عقلی بنیادوں کے علاوہ اذنی الہی سے اللہ کے نبی یا اُس کے رسول کے دستِ اقدس سے ایسے عجیب اور حیرت انگیز امور صادر ہوں جو عام قوانینِ قدرت کے تابع ہوں اور نہ ظاہری اسباب و علل ہی کے محتاج، حتیٰ کہ اُن کا تعلق اکتسابِ علم و فن سے بھی نہ ہو۔ عوام و خواص اُن کے مقابلے میں نہ صرف عاجز آ جائیں بلکہ اسباب و علل کے دائرے میں رہتے ہوئے اُن کی تخلیق و ایجاد سے بھی کلیتاً بے بس ہو جائیں۔

پہلے طریق کے ساتھ دوسرا طریق انسانی عقل و فکر اور ہوش و تدبیر کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ داعیِ حق (نبی یا رسول) کا یہ فعل ہرگز ہرگز اُس کا ذاتی فعل نہیں بلکہ



اس واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا فرما ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَمَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ  
 (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے  
 (اُن پر سنگریزے) مارے تھے (وہ)  
 اللہ رَمَى ○  
 (الانفال، ۸: ۱۷) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو)

اللہ نے مارے تھے ○

فرمایا جا رہا ہے کہ: ”اے حبیب! یہ فعل آپ کا نہ تھا بلکہ ہمارا تھا۔ آپ کے دشمنوں پر خاک آپ نے نہیں ہم نے پھینکی تھی“ دوسرے لفظوں میں اللہ معجزے کے ذریعے اپنے نبی کا دفاع بھی کرتا ہے اور اُس کی عظمت کا سکہ بھی انحراف کرنے اور قبول کرنے والوں کے دلوں پر بٹھاتا ہے۔

## قبول حق کے دو گروہ

مذکورہ دونوں طریق کی قبولیت کے حوالے سے دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ پہلا گروہ اُن اصحاب علم و دانش پر مشتمل ہے جو امور و مسائل پر غور و فکر کرنے اور سوچنے سمجھنے میں اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ اُن کے نزدیک قبولیت کا پہلا طریق زیادہ مؤثر اور کارگر ہے، جبکہ دوسرے طریق کو وہ پہلے کی تائید و تصدیق کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں۔ دعویٰ نبوت کی صداقت پر عملی دلیل دیکھنے سے اُن کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ بلا تامل دائرہ ایمان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ دوسرا گروہ اُن ارباب قوت و اقتدار اور عام انسانوں پر مشتمل ہے جو عجائب سے متاثر ہوتے ہیں۔ محیر العقول واقعات سے اُثر پذیر ہیں اُن کے مزاج کا حصہ ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے طریق ثانی زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ اللہ کے برگزیدہ نبی اور رسول

کے معجزانہ افعال کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور انہیں تو انین قدرت اور ظاہری اسباب و علل سے ماوراء دیکھتے ہیں تو وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ نبی یا رسول کے اُس معجزانہ فعل میں اللہ کا ارادہ ضرور کارفرما ہے۔ یہ اُسی کی قدرت کاملہ سے ظہور پذیر ہو رہا ہے جو ہر چیز پر قادر اور اس کائنات رنگ و بو کا خالق و مالک ہے۔ یوں وہ اُس معجزے کو ”آیۃ اللہ“ تصور کرتے ہوئے دل و جان سے قبول کر لیتے ہیں۔ قرآن حکیم فرقان مجید نے اکثر مقامات پر پہلے طریق ہی کو ”حجۃ اللہ“، ”برہان“ اور ”حکمتہ“ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ سورہ انعام میں اسلام کے بنیادی عقائد بیان کرنے کے بعد فرمایا:

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ فرما دیجئے کہ دلیل محکم تو اللہ ہی کی (الانعام، ۶: ۱۴۹) ہے۔

ایک دوسرے مقام پر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا:

وَ تِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَهَا اِبْرٰهٖمَ اور یہی ہماری (توحید کی) دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی (مخالف) علی قومہ۔ (الانعام، ۶: ۸۳) قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔

نبیوں اور رسولوں کے حوالے سے ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ لِّئَلَّا رسول جو خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے تھے (اس لئے بھیجے اَلْکُفَّارَ لِلنَّاسِ عَلٰی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ گئے) تاکہ (اُن) پیغمبروں (کے آ جانے) کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی عذر باقی نہ رہے۔ (النساء، ۴: ۱۶۵)

سورہ نساء میں ہی ایک اور مقام پر فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ  
مِّن رَّبِّكُمْ۔

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس  
تمہارے رب کی جانب سے (ذاتِ حق  
محمدی ﷺ کی صورت میں ذاتِ حق  
جلّ مجرہ کی سب سے مضبوط، کامل اور  
واضح) دلیل قاطع آ گئی ہے۔

سورہ یوسف میں فرمایا:  
لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ۔  
(یوسف، ۱۲: ۲۴)

سورہ نحل میں فرمایا:  
أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ  
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ  
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔  
(النحل، ۱۶: ۱۲۵)

(اے رسولِ معظم!) آپ اپنے رب  
کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت  
کے ساتھ بلائیے اور اُن سے بحث  
(بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت  
حسین ہو۔

سورہ نساء ہی میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:  
وَ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَ  
الْحِكْمَةَ۔  
(النساء، ۴: ۱۱۳)

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت  
نازل فرمائی ہے۔

قرآن کے کائناتی اُسلوب کا ایک مُنفرد وصف یہ بھی ہے کہ اُس میں گنجلک  
سے گنجلک مسئلہ بھی کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے تاکہ ذہنِ انسانی پر ہر مسئلہ اور مسئلہ کا ہر  
پہلو روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں دوسرے طریقِ دلیل کو

اکثر آیۃ اللہ یا آیات اللہ اور بعض مقامات پر آیاتِ بینات یا صرف بینات کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی کے بارے میں فرمایا:

قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ۔  
 (الاعراف، ۷: ۷۳) ہے۔ یہ اللہ کی اُونٹنی تمہارے لئے نشانی

ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا:

وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ ۖ كُونُوا بَيِّنَاتٍ۔  
 اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو

(بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۰۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَ جَعَلْنَاهَا وَ ابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝  
 اور ہم نے اُسے اور اُس کے بیٹے (عیسیٰ) کو جہان والوں کے لئے

(الانبیاء، ۲۱: ۹۱) (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے حوالے سے فرمایا:

إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝  
 جب تم اُن کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تو اُن میں سے کافروں نے (یہ) کہہ دیا کہ: ”یہ تو کھلے جادو

(المائدہ، ۵: ۱۱۰) کے سوا کچھ نہیں“

سورہ بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ۔ اور ہم نے مریم کے فرزند عیسیٰ (علیہ السلام) کو واضح نشانیاں عطا کیں۔ (البقرہ ۲: ۲۵۳)

## معجزہ پیغمبرانہ جلال کا آئینہ دار ہوتا ہے

بلاشبہ باری تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کو آیات و معجزات سے نوازا کیونکہ اللہ رب العزت کو اپنے اُن مقرب نبیوں اور رسولوں کی عظمت کا اظہار مقصود تھا کہ لوگ انہیں احترام اور تقدس کی نگاہ سے دیکھیں۔ ساری کائنات انسانی ہر دور میں معجزات انبیاء علیہم السلام کے سامنے بے بسی اور عاجزی کی تصویر بنی رہی۔ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کو اگرچہ ابتلاء و آزمائش کے اُن گنت مراحل سے گزرنا پڑا، اعلان حق پر باطل اپنے تمام تر مادی وسائل کے ساتھ حرکت میں آتا اور روشنی کی راہ میں دیوار بننے کی کوشش کرتا رہا، ذہنوں میں فتنے پرورش پاتے رہے، سازشیں تیار ہوتی رہیں، اکثر و بیشتر اُن مقربانِ خدا کو مرحلہ ہجرت سے بھی گزرنا پڑا، تاہم اُن کے منصب رسالت و نبوت کے گرد جلال و جمال کا ہالہ پوری آب و تاب کے ساتھ روشن رہا اور کفر اپنی تمام تر مخالفتوں اور چیرہ دستیوں کے باوجود اُن پیکرانِ وفا کو جھٹلانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کفار و مشرکین پیغمبرانہ جلال اور معجزات کے ظہور کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔ عقل و خرد ہر دور میں متعجب و حیران ہوئی، کبھی تسلیم کرنے کے لئے آگے بڑھی اور کبھی انکار پر اُتر آئی، کبھی زبانیں تعصب کے زہر سے آلودہ ہو کر سحر سحر کا راگ الاپنے لگیں اور کبھی غرور و تکبر اور گھمنڈ قبول حق کی راہ میں آن کھڑا ہوا۔ دل اقرار اور زبانیں انکار کرتی رہیں۔ چونکہ معجزہ ایک ابدی حقیقت ہے اس لئے قبول حق سے انکار کے باوجود اُسے دل سے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

## عطائے رب جلیل

مقصد، ضرورت اور افادیت ہی ارض و سماوات کی تمام تر گردشوں کا مرکز و محور ہے۔ خالق کائنات نے کوئی چیز بھی مقصد کے بغیر پیدا نہیں کی، یہ الگ بات کہ ہماری عقل کسی چیز کی غایت تخلیق کے تمام تر پہلوؤں کا احاطہ کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ضرورتِ معجزہ کیا ہے؟ عقل کو عاجز کر دینے والے واقعات اور مشاہدات کے ظہور سے کیا مقصود ہے؟ دوسرے لفظوں میں منزلِ حق کے لئے ہدایتِ آسمانی کے فروغ میں اور نبی یا رسول کی عظمت و فضیلت کے اظہار میں معجزے کی اہمیت و افادیت کیا ہے؟ نبی اور رسول کی بعثت کا مقصد کائناتِ انسانی کی رشد و ہدایت اور خیر و فلاح ہوتا ہے۔ انبیاء و رسل وحیِ الہی کے ذریعہ ہدایاتِ خداوندی وصول کر کے اپنے فرائض منصبی ادا کرتے ہیں اور علم و برہان اور محبتِ حق کے ذریعہ اللہ کی وحدانیت اور اپنے مشن کی صداقت و حقائق کا یقین دلاتے ہیں۔ وہ ہرگز ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ فطرت اور ماورائے فطرت امور میں تصرف اور تغیر کی مستقل بالذات قدرت رکھتے ہیں۔ یہ معجزاتِ خدائے دو جہاں کی قدرتِ کاملہ کے مظہر ہوتے ہیں۔ انبیاء بارہا یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ اللہ رب العزت کی طرف سے بشیر و نذیر اور داعی الی اللہ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

تاریخِ انسانی گواہ ہے کہ جب اللہ کا نبی یا اُس کا رسول اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ منصبِ نبوت یا منصبِ رسالت پر مامور من اللہ ہے، یعنی یہ منصب اُسے رب کائنات نے عطا کیا ہے تو اُس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ منصب اُسے عبادات و مجاہدات اور نیک افعال و اعمال کے صلے میں عطا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ منصب محض عطائے الہی سے حاصل ہوتا ہے۔ نبی یا رسول اُس عظیم

منصب پر فائز ہو کر انسانوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے اور انسان کے مقصدِ تخلیق کا احیاء کرتا ہے، فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کرتا ہے اور اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ معاشرے میں آسمانی ہدایت کے نفاذ کی بھرپور سعی کرتا ہے، اپنی جدوجہد کو نتیجہ خیز بناتا ہے اور کرۂ ارضی پر پُر امن معاشرے کے قیام کے بعد اُس کی کامیابی کو ہدایتِ آسمانی کی روشنی میں اپنا راستہ متعین کرنے سے مشروط کرتا ہے۔

## ضرورتِ معجزہ

۱- انسانی ذہن اس طرف متوجہ ہو سکتا ہے کہ اگر اُس نبی یا رسول کا دعویٰ نبوت و رسالت صحت پر مبنی ہے تو اُس نبی یا رسول کو اللہ کے حضور یقیناً ایسا مقام قُرب حاصل ہو گا جو عام انسانوں کو میسر نہیں ہو سکتا۔

۲- تاریخ شاہدِ عادل ہے کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی دعوت و تبلیغ سے باطل کے ایوان لرز اُٹھتے اور فرسودہ نظام کی دیواروں میں دراڑیں پڑ جاتیں، ظالمانہ رسم و رواج اور عقائدِ باطلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا اور پھر باطل کے ہر نشان کو مٹانے کے لئے عملاً میدانِ کارزار میں سینہ سپر ہونا اور اپنے وقت کی باطلِ استحصالی قوتوں کو لاکرنا اُن برگزیدہ ہستیوں کے کا رِ نبوت میں سرفہرست رہا ہے۔

۳- ذہنِ انسانی میں اُبھرنے والے اُن گنت شکوک و شبہات کا ازالہ معجزے کے ظہور سے ہوتا ہے۔ یہ اللہ اور اُس کے نبی کے درمیان ایک روحانی واسطہ اور رابطہ کی علامت بھی ہے۔ اللہ کے نبیوں اور رسولوں سے ماورائے فطرت اور خارقِ عادت اُمور کا صدور اُن کے دعویٰ نبوت کا ثبوت بھی ہے۔ معجزات دراصل قُربِ الہی کی نشانی اور تائیدِ غیبی کے مظہر ہوتے ہیں۔

۴۔ اُنہوہ اولادِ آدم میں ایسے گروہ اور طبقات بھی ہوتے ہیں جو خود بھی نشہٴ اقتدار و قوت میں مبتلا ہوتے ہیں اور زبان بھی اقتدار و قوت ہی کی سمجھتے ہیں۔ اُن پر کوئی امرِ حق اُس وقت تک مؤثر نہیں ہوتا جب تک اُن کے تکبر اور رعونت کو غیبی ٹھوکر سے جگایا نہ جائے اور اُن کے شعور کو فطرت کے جلال و جمال کے مظاہروں سے بیدار نہ کیا جائے۔ وہ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر کے دستِ حق پرست پر کوئی ایسا معجزہ صادر ہو یا عقل کو عاجز کر دینے والے ایسے امر کا ظہور ہو جس کے بعد اُس پیغمبر کی صداقت اور حقاقت کو جھٹلانے کا اُن کے پاس کوئی جواز باقی نہ رہے اور اُن کو یقین ہو جائے کہ وہ واقعی اللہ کے پیغمبر ہیں اور ربِّ کائنات نے بغیر اسباب و علل کے انہیں یہ عظیم معجزہ عطا فرمایا ہے۔ وہ قادرِ مطلق یقیناً پر لمحہ اپنے نبی کی دستگیری کر رہا ہے۔ اُس نبی کو اپنے خالق کی ہر آن تائیدِ غیبی حاصل ہے۔

### دعوائے نبوت اور معجزہ کا باہمی تعلق

متکلمین نے دعویٰ نبوت اور معجزہ کے مابین تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے یہ مثال بیان کی ہے کہ جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے اُسے اپنا نائب مقرر کر کے بھیجا ہے تو اُس علاقے کے لوگ قدرتی طور پر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ مدسعی نیابت اپنے دعویٰ کی صداقت میں کوئی سند یا علامت پیش کرے، انہیں شاہی فرمان دکھائے تاکہ وہ مطمئن ہو کر اُسے اپنا حاکم تسلیم کر لیں۔ اُس کی حاکمیت کو تسلیم کرنا دراصل بادشاہ کی حاکمیت کے سامنے گردن جھکانا ہے، جس کا وہ نمائندہ ہوتا۔ کسی نبی یا رسول پر ایمان لانا یا اُس کے دستِ حق پرست سے کسی معجزے کو رونما ہوتے دیکھ کر اُس کی صداقت پر ایمان لانا دراصل اُس قادرِ مطلق کی توحید پر ایمان لانا ہے جس کی قدرتِ کاملہ سے اُس نبی سے یہ معجزہ صادر ہو رہا ہے۔ یایوں کہنے کہ مدسعی نیابت ایک



طرف لوگوں کو اگر اپنی سند دکھاتا ہے تو دوسری طرف اُنہیں اپنی کسی خاص نشانی کا مشاہدہ بھی کراتا ہے تاکہ دیکھنے والی آنکھ کو یہ یقین حاصل ہو جائے کہ یہ شاہی نشانی بادشاہ کی توثیق کی مظہر ہے۔ بادشاہ کی انگشتی (مہر حکومت) اُس شخص کو مل سکتی ہے جس کو بادشاہ اپنی نیابت کے اعزاز سے سرفراز کرے۔

معجزہ اُس عظیم ہستی کے ہاتھوں سے صادر ہوتا ہے جسے منصبِ نبوت و رسالت پر فائز کیا گیا ہو۔ معجزہ کا صدور اللہ کے نبی اور رسول ہی سے ممکن ہے۔ معجزہ کسی غیرِ نبی سے صادر نہیں ہوتا۔ معجزہ ”آیتِ الہی“ ہوتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ کا آئینہ دار ہوتا ہے اور اُس کا ظہور اُسی پروردگار کے اذن سے انبیاء و رسل سے صادر ہوتا ہے۔ اُن سے معجزے کا مطالبہ یا تو تلاشِ حق کے لئے ہوتا ہے کہ معجزے کا ظہور دیکھ کر دولتِ ایمان نصیب ہو یا پھر یہ مطالبہ محض تعصب، حسد اور بغض کی بناء پر ہوتا ہے تاکہ مُخرِفین اور منکرینِ برعمِ خویش معجزے کی عدم دستیابی کی صورت میں اللہ کے برگزیدہ رسول کو بھٹلا سکیں، یہی وجہ ہے کہ صدورِ معجزہ کی صورت میں معجزہ دیکھ کر بھی وہ ایمان کی روشنی سے محروم رہتے ہیں۔ اُن کے تعصب، حسد اور بغض میں انکار کا مزید عنصر داخل ہو جاتا ہے اور اُن کے دلوں پر قفل پڑ جاتے ہیں جبکہ سعید رُوحیں معجزے کو دیکھ کر پکار اٹھتی ہیں:

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوسٰی - ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔ (طہ، ۲۰: ۷۰)

اس کے برعکس بد بخت اور دولتِ ایمان و ایقان سے محروم رُوحیں عناد و دشمنی کی تاریکی میں ڈوب کر کہتی ہیں:

إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝  
یہ صریح جادو کے سوا (کچھ) نہیں ۝  
(الانعام، ۶: ۷۰)

عقل والے سوچتے رہ جاتے ہیں اور عشق والے جھک کر اوجِ ثریا کو پا لیتے  
ہیں اور بامِ فلک کو چھو لیتے ہیں۔ اقرارِ نبوت بذاتِ خود ایک بہت بڑا اعزاز ہے، اس  
اقرار کے سامنے سب اقرار ہیچ ہیں کیونکہ اس اقرار کی بدولت دین بھی ملتا ہے اور دنیا  
بھی، توحید کی دولت بھی مقدر بنتی ہے اور رسالت کی ثروت بھی نصیب ہوتی ہے۔

فصل سوم

# معجزہ اور عالم اسباب

لفظِ معجزہ کی ماہیت، ضرورت و اہمیت اور حقیقت کا جائزہ لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ عالمِ اسباب کے حوالے سے انسانی زندگی کا کائناتی مطالعہ کرنے والے اربابِ علم و دانش کے نزدیک ظہورِ معجزہ کی کیا حیثیت ہے اور زندگی کے ارتقائی سفر میں معجزہ اعتقادی حوالوں کو کس طرح قوتِ ایمانی سے ہمکنار کرتا ہے! یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ معجزہ عالمِ اسباب کے تابع نہیں ہوتا اور نہ یہ اسباب و علل کے بندھے ٹکے نظام کے تحت واقع ہوتا ہے بلکہ معجزہ کا صدور ان اسباب و علل اور معمول کے نظام کے برعکس ہوتا ہے۔ گویا معجزے کا وقوع پذیر ہونا اسباب و علل کا مرہونِ منت ہوتا ہے اور نہ یہ معمول کے نظام کے مطابق انبیائے کرام کے دستِ حق پرست سے ظہور میں آتا ہے۔ اسباب و علل کا نظام کوئی اٹل اور ناقابلِ منسوخ ضابطہ نہیں ہے۔ یہ تو باری تعالیٰ کی عادتِ جاریہ کا مظہر ہے۔ ان اسباب و علل کی حقیقت فقط اتنی ہے کہ یہ اللہ رب العزت کے ارادے اور مشیت کے مختلف مظاہر ہیں اور اُس کی قدرتِ کاملہ کے شواہد ہیں۔ خالق کائنات نظامِ ہستی کو ایک خاص طریقے سے چلا رہا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کے حکم کا پابند ہے اور وہ خود کسی حوالے سے بھی کسی امر کا پابند نہیں کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہر چیز کا خالق ہے، ہر چیز کا مالک ہے، وہ ربُّ العالمین ہے۔ مولائے روم نے اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

بیشتر احوال بر سنت رَوَد  
گاہ قدرت خارق سنت شَوَد

دُنیا کے زیادہ تر واقعات اُنہی عاداتِ جاریہ کے مطابق ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی قدرتِ الہیہ اس قانون کو توڑ کر اپنی حاکمیتِ کاملہ کا اظہار بھی کرتی ہے۔

اسباب و علل کا سائنسی حوالوں سے مطالعہ کرنے والے اربابِ دانش و تحقیق جانتے ہیں کہ نظامِ ہستی ایک ضابطے اور اُصول کے تحت چل رہا ہے، لیکن بعض اوقات قدرتِ انعامِ ضابطوں اور اُصولوں کے برخلاف اپنی مخلوقات کے لئے زندگی کے راستوں کو آسان بھی بناتی ہے۔ ایسے میں ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ آخر وہ کون ہے جس کے اشارے پر عناصرِ فطرت اپنے فطری خواص کے برعکس کام کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً: سائنس کا ایک مسئلہ اُصول ہے کہ حرارت سے چیزیں پھیلتی ہیں اور سردی سے سکڑتی ہیں، لیکن سمندروں کے پانی کا درجہ حرارت جب نقطہٴ انجماد کی طرف آتا ہے تو برف بن کر سکڑنے کی بجائے پھیل جاتا ہے۔ اگر پانی عام معمولات کے مطابق یہاں بھی برف بننے ہوئے سکڑ جائے تو سطحِ سمندر پر تیرنے والی برف کثیف ہو کر تہہ میں جا بیٹھے اور سمندری مخلوقات نیچے دب کر آناً فاناً موت کی وادی میں چلی جائیں۔ قادرِ مطلق کو چونکہ اپنی ان مخلوقات کی حیات مقصود ہے، اس لئے یہاں فطرت کے عام اُصولوں سے اختلاف کی راہ نکالی گئی اور پانی کو حکم دیا گیا کہ وہ ٹمپرچر کی کمی کی صورت میں  $4^{\circ}$  سینٹی گریڈ تک سکڑتا رہے مگر جو نہی اُس کے مالیکیولز کا درجہ حرارت  $4^{\circ}$  سینٹی گریڈ سے مزید گرتے ہوئے نقطہٴ انجماد کی طرف بڑھنے لگے، زیادہ بخ مالیکیولز آس پاس کے دیگر کم سرد مالیکیولز کی نسبت پھیلا شروع کر دیں، ان کی کثافت (Density) کم ہو جائے اور وہ نسبتاً ہلکے ہو کر سطحِ آب کی طرف تیر آئیں۔ اور اس طرح برف بننے کا عمل سطح سے تہہ کی طرف شروع ہو، تاکہ سمندروں کی مُجمد سطح کے نیچے آبی مخلوقات اُس خدائے وحدہ لا شریک کی حکمت سے زندہ و سلامت رہیں۔

اَسباب وعلل کی گرد میں پھنس جانے اور خارق العادت کو قبول نہ کرنے والوں کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اِن اَسباب وعلل کی ایک علۃ العلل اور مُسبَّبُ الاسباب ہستی بھی ہے، جس کے سامنے اِن اَسباب وعلل کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ جب اُس قادرِ مطلق ہستی کا ارادہ اور مشیت ”کُنْ فَيَكُونُ“ کے ذریعہ غالب آتا ہے تو پھر اَسباب وعلل کے متوازی ایک الگ نظام وجود میں آتا ہے۔ اُسے برہان کا نام دیا جائے یا معجزات کا، لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ اُس خالق کائنات کی یہ شانِ تخلیق ہر لمحہ فروغ پذیر ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ وہ خدائے جبار و قہار کے ارادہ و مشیت کے بارے میں کوئی غلط تصور بھی اپنے ذہن میں لا سکے۔

### معجزہ..... قوانین فطرت کے خرق کا نام

درج بالا بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ معجزے کا موازنہ اَسباب وعلل سے کرنا اور عادتِ جاریہ کی کسوٹی پر اُسے پرکھنا کسی بھی اعتبار سے قرینِ قیاس نہیں۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اَسباب وعلل اس نظام کائنات میں جاری و ساری اعمال اور اُن کے نتائج سے عبارت ہیں جبکہ معجزہ اس نظام کائنات کا ایک خصوصی عمل ہے جو اللہ کے نبی یا اُس کے رسول کے دستِ حق پرست پر اذنِ الہی سے ظہور میں آتا ہے۔

ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے کہ یہ اَسباب وعلل کیا ہیں اور نظامِ حیات میں اُن کا مقام اور اہمیت کیا ہے؟ یہ دراصل ہمارے مشاہدات و تجربات ہیں۔ مثلاً ہم ایک چیز کو اپنے کسی خاص عمل سے متعدد بار گزرتے دیکھتے ہیں اور پھر یقین کر لیتے ہیں کہ تمام چیزیں ایسے ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں..... یعنی ایک ضابطے اور اُصول کے تحت..... چونکہ وہ عمل بار بار ہمارے سامنے آتا ہے، اس لئے وہ ہمارے شعور میں پختہ ہوتا جاتا ہے۔ ہمیں ایک قطرہ آب سے خون، خون سے گوشت اور پھر اُس میں رگیں،

پٹھے، ہڈیاں، دل و دماغ، جگر اور گردوں کے پیدا ہونے، پھر اُس میں رُوح کی آمد، بعد ازاں ایک مدتِ معینہ کے بعد ایک بچے کی صورت میں پیدا ہونے پر کوئی تعجب نہیں ہوتا، حتیٰ کہ وہ بچہ اپنے بچپن اور لڑکپن کے مراحل سے گزر کر عالمِ شباب میں داخل ہوتا ہے، جوانی کی منزلیں طے کر کے اور بڑھاپے کی دہلیز سے گزر کر لحد کی تاریکیوں میں فنا ہو جاتا ہے لیکن ذہنِ انسانی ذرا بھی متعجب نہیں ہوتا، اس لئے کہ یہ عمل معمول کا عمل ہے۔ ہم بار بار اس عمل کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک چھوٹا سا جلدانہ ایک تناور درخت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اُس پر پھول آتے ہیں، پھل آتا ہے، شاخوں پر شاداب ساعتیں بسرا کرتی ہیں پھر وہ درخت سُکھ جاتا ہے، پتے جھڑ جاتے ہیں اور وہ ایندھن بن کر رزقِ زمین بن جاتا ہے لیکن ہم اُس پر انظہارِ تعجب نہیں کرتے، اس لئے کہ ہم اس عمل کو متعدد بار دیکھتے ہیں اور یہ عمل ہمارے شعور کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک بے جان لکڑی سانپ کی شکل اختیار کر لے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوں، رات کے ایک انتہائی قلیل عرصے میں حضورِ رحمتِ عالم ﷺ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور پھر سدرۃً المنتہیٰ اور لامکاں سے ہو کر واپس آ جائیں تو ایسی صورت میں عقلِ انسانی کو ان واقعات کی صداقت پر ایمان لانے میں تاثر ہوگا اور وہ اس سوچ میں پڑ جائے گی کہ ایسا کس طرح ممکن ہے! کیونکہ اس سے پہلے ایسے واقعات مشاہدے میں کبھی نہیں آئے۔

زندگی کا یہ ایک عمومی دستور ہے کہ ایک چیز کو ہم بار بار دیکھتے ہیں تو وہ قصرِ ایتقان میں سما جاتی ہے۔ ادراک و شعور اُس عمل کی تصدیق اور توثیق کرتے ہیں، لیکن جس چیز یا عمل کے بارے میں سنا ہوا اور نہ اُسے روزمرہ زندگی میں دیکھا ہو تو جب وہ چیز یا عمل ہمارے مشاہدے میں آتا ہے تو قدرتی طور پر اُس عمل کو دیکھ کر ہم تصورِ حیرت

بن جاتے ہیں اور تذبذب کے عالم میں اُس عمل سے انکار کر دیتے ہیں حالانکہ قصور ہمارے مُشاہدے اور تجربے کا ہوتا ہے۔ اگر ایک چیز ہمارے مُشاہدے یا تجربے میں نہیں آتی تو اس سے اُس چیز کا وقوع یا عدم وقوع کیسے لازم آ سکتا ہے؟ معجزے کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اُس کی توجیہ و تعلیل عام تجربات کی دسترس اور گرفت سے باہر ہوتی ہے۔ انسانی عقل اُس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس لمحہ استعجاب کو ادراک و شعور اپنی گرفت میں لینے میں ناکام رہتے ہیں، اس لئے کہ معجزہ قوانینِ فطرت کے خرق کا نام ہے۔ یہ انسانی زندگی کے روزمرہ کے مُشاہدات و تجربات کے برعکس ہوتا ہے، ایسا اس لئے ہے کہ ہمارے تجربات و مُشاہدات کی بنیاد قوانینِ فطرت پر ہوتی ہے جبکہ معجزہ قوانینِ فطرت کے تابع نہیں ہوتا بلکہ اُن کے برعکس اور خلاف ہوتا ہے۔ قوانینِ فطرت کے مطابق ایک آدمی مر جائے تو دوبارہ زندہ نہیں ہوتا اور اگر دوبارہ زندہ ہو جائے تو یہ قوانینِ فطرت کے برعکس ہوگا۔ قوانینِ فطرت کے برعکس ہونا ہی معجزہ ہے۔ اس کا وقوع قلیل اور صدور انبیاء و رسل سے ہوتا ہے۔ عقلِ انسانی جسے تمثیل اور تائیدِ مسلسل کے ذریعہ کسی واقعہ، عمل یا چیز کے وجود کا یقین آتا ہے، اور مسلسل ایک جیسے عمل سے ایک جیسا نتیجہ پیدا ہونے کے بعد اُسے قوانینِ فطرت میں داخل کرتی ہے..... معجزے کے معاملہ میں وہ ایسا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ قوانینِ فطرت کے اٹل اور قطعی ہونے کے نظریے کو اب جدید سائنس بھی رد کر چکی ہے۔ اسلئے فکری اور نظری مباحث میں اُلجھے بغیر ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ قوانینِ فطرت کی اَصْلِیت قانونِ عادت کی ہے جسے مذہبی نقطہ نظر سے ہم ”فطرۃ اللہ“ کہتے ہیں۔

### معجزہ..... قدرتِ الہیہ

ہر آن پھیلتی اور تغیر پذیر کائنات میں ہر طرف مادے کی رنگارنگ صورت



پذیری نظر آتی ہے۔ امکانات کی ایک نہیں اُن گنت دنیا میں آباد ہیں۔ نظامِ اسباب و علل پوری کائنات پر محیط ہے۔ کارخانہ قدرت میں ہر سیارہ، ہر ستارہ اور ہر کہکشاں کائناتی اصولوں اور ضابطوں کی پابند ہے۔ کبھی کبھی اُس پابندی سے انحراف کی راہیں بھی نکلتی ہیں اور کائنات کے خالق کے وجود کی گواہی دیتی ہیں۔ نظامِ اسباب و علل اور انبیاء کے معجزات دونوں درحقیقت اللہ رب العزت کی مشیت و ارادے کے مظہر ہیں۔ قرآن نے اس نظامِ اسباب و علل کو کھول کھول کر بیان کیا ہے اور سائنسی انکشافات کی وضاحتاً اور صراحۃً نشاندہی کی ہے۔ مثلاً متعدد مقامات پر فرمایا کہ آسمان سے برسنے والی بارش، زمین سے اُگنے والی فصلوں، شاخوں پر آنے والے پھولوں اور پھلوں کے پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ۔  
 پھر اُس کے ذریعے تمہارے کھانے کے لئے (انواع و اقسام) کے پھل پیدا کئے۔  
 (البقرہ، ۲: ۲۲)

آج کا انسان خلا کی وسعتوں میں زندگی کے امکانات کا متلاشی ہے۔ اس سلسلے میں وہ سب سے پہلے کسی سیارے پر پانی کے وجود کی تلاش میں ہے کیونکہ جہاں پانی ہوگا وہاں ہوا بھی ہوگی اور وہاں زندگی کے کسی نہ کسی شکل میں موجود ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ۔  
 اور اللہ نے ہر چلنے پھرنے والے (جاندار) کی پیدائش (کی کیمیائی ابتداء) پانی سے فرمائی۔  
 (النور، ۲۴: ۴۵)

پانی کے بغیر زندگی کا کوئی تصور ممکن نہیں، پانی زندگی کی علامت ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ - اور ہم نے (زمین پر) ہر زندہ چیز (الانبیاء، ۳۱: ۳۰) کی زندگی کی نمود پانی سے کی۔

یہ کرہ ارضی ایک بہت بڑی خلعتِ سبز میں لپٹا ہوا ہے۔ ہر قدم شاداب سماعتوں نے پڑاؤ ڈال رکھے ہیں۔ ہر طرف سبزے کی چادر بچھی ہوئی ہے، لہلہاتی فصیلیں کھڑی ہیں، وسیع و عریض علاقوں پر جنگلات پھیلے ہوئے ہیں یعنی اس دُنیا میں نباتات کی الگ دُنیا قائم ہے۔ نباتی زندگی کا آغاز بھی پانی ہی سے ہوا۔ ارشاد فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً - اور وہی ہے جس نے آسمان کی طرف فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ - سے پانی اُتارا۔ پھر ہم نے اُس (الانعام، ۶: ۹۹) سے ہر قسم کی روئیدگی نکالی۔

قرآن میں صراحت کے ساتھ عناصرِ فطرت اور کارکنانِ قضا و قدر کی برہمی کا ذکر کیا گیا ہے اور اجزاء کے پریشان ہونے کو موت کی علامت قرار دیا گیا ہے کہ بادِ صرر اور آندھیاں اپنے ساتھ تباہی، بربادی اور ہلاکت کو لے کر چلتی ہیں۔ یہ سب نظامِ ہستی ایک عالمِ اسباب کے تحت لگا بندھا ہے:

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا - پھر ہم نے اُن پر زور کی آندھی (اُن فِي أَيَّامٍ نَّحْسَاتٍ لَّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا - کے) نحوست کے دنوں میں بھیجی (یعنی وہ دن اُن کے حق میں منحوس

(حم السجدہ، ۴۱: ۱۶) ثابت ہوئے) تاکہ ہم اُنہیں دُنیا میں  
رُسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں۔

سورۃ اَحْقَاف میں فرمایا:

رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تَدْمُرُ  
كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا۔

(الاحقاف، ۴۶: ۲۴، ۲۵) شے کو اپنے رب کے حکم سے اُکھاڑ  
پھینکے گی۔

سورۃ الذّٰرِیّٰت میں فرمایا:

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ  
الْعَقِيْمَ ۝ مَا تَدْرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ  
عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرِّمِيْمِ ۝

(الذّٰرِیّٰت، ۵۱: ۴۱، ۴۲) جب ہم نے اُن پر خیر سے خالی آندھی  
چلائی ۝ (وہ) جس چیز پر گزرتی اُسے  
ریزہ ریزہ کئے بغیر نہ چھوڑتی ۝

اس وسیع و عریض کائنات میں آگ بھی ایک بہت بڑی قوت ہے۔ آگ کی  
یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ منہ زور آندھیوں اور بھری ہوئی سمندری  
موجوں کی طرح آگ اور حرارت جہاں زندگی کی علامت ہے وہاں بہت بڑی تباہی کا  
پیش خیمہ بھی ثابت ہوتی ہے:

تَلْفَحُ وُجُوْهُهُمْ النَّارُ۔  
اُن کے چہروں کو آگ جھلس دے گی۔

(المومنون، ۲۳: ۱۰۴)

آگ عموماً لکڑی سے پیدا ہوتی ہے اور لکڑی درختوں کی صورت میں زمین  
کی عطا ہے:

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ  
الْأَخْضَرِ نَارًا۔  
وہی ہے جس نے تمہارے لئے سبز  
درخت سے آگ پیدا کی۔

(یٰسین، ۳۶: ۸۰)

اس نظامِ اسباب و علل کے تحت قرآن نے مختلف اشیاء کے طبعی خواص کا  
بھی ذکر کیا ہے اور اُن خواص سے پیدا ہونے والے مفید نتائج کو بیان فرمایا ہے۔ مثلاً  
شہد میں صحت بخشنے اور بیماری دُور کرنے کی خاصیت ہے:

يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ  
مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ  
لِّلنَّاسِ۔  
اُن کے شکموں سے ایک پینے کی چیز  
نکلتی ہے، (وہ شہد ہے) جس کے رنگ  
جداگانہ ہوتے ہیں۔ اُس میں لوگوں  
کے لئے شفاء ہے۔ (النحل، ۱۶: ۶۹)

پانی کی بھی خاصیت بیان فرمائی کہ وہ پیاس بجھانے اور درخت اُگانے کے  
خواص رکھتا ہے:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً  
لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ۔  
وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان  
کی جانب سے پانی اُتارا، اُس میں  
سے (کچھ) پینے کا ہے اور اُسی میں  
سے (کچھ) شجر کاری کا ہے۔ (النحل، ۱۶: ۱۰)

اسی طرح قرآن نے فرمایا کہ اُون میں گرمی کی خاصیت پائی جاتی ہے:  
فِيهَا دِفْءٌ۔  
اُن میں تمہارے لئے گرم لباس ہے۔  
(النحل، ۱۶: ۵)

ہماری یہ دُنیا ئے رنگ و بو اسباب و علل کے وسیع حصارِ دِلنواز میں آباد  
ہے۔ مادہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ہر طرف جلوہ گر ہے اور اپنے خالق کی حمد میں

مصرف ہے۔ مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ اسی نظامِ اسباب و علل پر صریح دلیل ہیں اور اللہ رب العزت کی ربوبیت اور الوہیت کا اعلان کر رہی ہیں۔ یہاں ایک بات قابلِ توجہ ہے، مذکورہ بالا آیاتِ ربانی کے سیاق و سباق اور اُن کے نفسِ مضمون سے یہ چیز بخوبی آشکار ہو رہی ہے کہ اُن سب میں فعل کی نسبت خالقِ ارض و سموات نے خود اپنی طرف کی ہے کہ اس نظامِ اسباب و علل اور مختلف اشیاء کے خواص کا ظہور ہماری مشیت و ارادہ اور حکم و امر سے ہو رہا ہے۔ یہ اس لئے کہ کہیں انسان ظاہری علل و اسباب دیکھ کر اور اشیاء کے خواص کا مشاہدہ کر کے علتِ حقیقی کا انکار نہ کر دے اور اُن کو مستقل بالذات تسلیم کر کے کہیں شرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور یوں ہر چیز کھول کھول کر بیان کر دی گئی، تعلیماتِ قرآنیہ کا یہی امتیاز ہے کہ یہ تشکیک و ابہام سے پاک ہوتی ہے۔

انبیائے کرام اور اولیائے عظام بھی بسا اوقات عادتِ جاریہ اور ظاہری اسباب و علل کے خلاف اُمور کے وقوع پر استعجاب کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ پھر باری تعالیٰ اُن کے استعجاب کو اپنی قدرتِ مطلقہ اور مشیت سے دُور کر دیتا ہے۔

حضرت سارہ علیہا السلام کو جب بڑھاپے میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو وہ حیران رہ گئیں۔ انہوں نے اس پر تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

يُوَيَّلْتِيْ اِلَآلِدٌ وَّ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا  
بَعْلِيْ شَيْخًا ط اِنَّ هٰذَا لَشَيْ  
عَجِيْبٌ ۝

وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی،  
حالانکہ میں بوڑھی (ہو چکی ہوں) اور  
میرے شوہر (بھی) بوڑھے ہیں۔

بیشک یہ تو بڑی عجیب چیز ہے ۝ (ہود، ۱۱: ۷۲)

بشارت دینے والے ملائکہ نے جواب میں کہا:  
 اَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ۔  
 کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کر رہی ہو۔  
 (ہود، ۱۱: ۷۳)

اللہ تو قادرِ مطلق ہے۔ وہ جس امر کا ارادہ کرتا ہے..... ہو جاتا ہے۔ پھر اُس کی قدرتِ کاملہ پر تعجب کیسا! ہاں عالمِ اسباب و علل میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ بڑھاپے میں میاں بیوی دونوں جسمانی اعتبار سے کمزور ہو جاتے ہیں اور اولاد کی اُمید ناپید ہو جاتی ہے، مگر اللہ رب العزت کی قدرتِ مطلقہ سے کچھ بھی بعید نہیں۔ کارکنانِ قضا و قدر اُس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں۔ فرشتوں کے جواب سے حضرت سارہ علیہا (علیہ السلام) مطمئن ہو گئیں کہ یہ سب کچھ خالقِ روز و شب کے امر سے ہوگا۔

اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل ضعیف ہو چکے تھے۔ اُن کی زوجہ مطہرہ بانجھ پن کا شکار تھیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو اس صورتحال سے بخوبی آگاہی تھی کہ اُن کی زوجہ مطہرہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ ظاہری عدم استعداد اور اسباب و علل کے موجود نہ ہونے کے باوجود وہ قدرتِ الہی اور مشیتِ ایزدی پر کامل یقین رکھتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں اپنے وارث کے لئے عرض پرداز ہوتے ہیں۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام کو اجابتِ دعا کی بشارت دی جاتی ہے تو وہ بقاضائے بشریت ظاہری اسباب و علل کے فقدان کو دیکھتے ہوئے تعجب کا اظہار فرماتے ہیں۔ ایسا ہونا انہیں عجیب سا لگتا ہے:

رَبِّ اَنۡیَ یَّکُوۡنُ لِیَ غُلَامٌ وَّ کَانَتِ  
 اَمْرًاۤی عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِّنْ  
 اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا  
 کیسے ہو سکتا ہے در آنحالیکہ میری بیوی

النَّكَبِ عِتِيًّا ۝

باجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کے

باعث (انتہائی ضعف میں) سُوکھ

جانے کی حالت کو پہنچ گیا ہوں ۝

بارگاہِ خداوندی سے حضرت زکریا علیہ السلام کے اس استعجاب اور حیرانی پر

جواب آتا ہے:

قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ  
عَلَىٰ هَيْنٍ ۖ قَدْ خَلَقْتكَ مِنْ  
قَبْلُ ۖ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا۔

فرمایا: ”(تجربہ نہ کرو) ایسے ہی ہوگا

تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ (لڑکا

پیدا کرنا) مجھ پر آسان ہے اور بیشک

میں اس سے پہلے تمہیں بھی پیدا کر چکا

ہوں، اُس حالت سے کہ تم (سرے

سے) کوئی چیز ہی نہ تھے۔

بندے کی کیا مجال کہ اپنے رب کی قدرتِ مطلقہ کے بارے میں کوئی غلط تصور بھی ذہن میں لائے یا غبارِ ابہام میں تشکیک کی تصویریں سجائے۔ شکوک و شبہات کی گردِ لوحِ دل پر نقشِ ایمان و ایقان کی ہر تصویر کو مٹا دیتی ہے۔ آیتِ مذکورہ میں عدم سے وجود میں آنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ استعجاب کیسا؟ حیرت کیسی؟ اے پیغمبر! ہم نے تمہیں بھی تو پیدا کیا ہے۔ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کے یہ کلمات ”قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيْنٌ“ (تمہارے رب نے فرمایا کہ یہ مجھ پر آسان ہے) انتہائی قابلِ توجہ ہیں۔ ان الفاظ سے جہاں اللہ رب العزت کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہوتا ہے وہاں اسباب و علل کے نظام کے برعکس اُس کی مشیت کے تحت ہر چیز کی تخلیق ہوتی دکھائی گئی ہے اور اس طرح کہ ظاہراً کوئی علت ہے اور نہ کوئی سبب۔ پھر بھی اُس چیز کو وجود عطا کیا جاتا ہے جو باری تعالیٰ کی قدرتِ علی الاطلاق پر ایک دلیلِ ناطق

ہے۔ قصرِ ایمان و ایتقان سے انحراف کا کوئی راستہ نہیں نکلتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت بھی ایک معجزہ ہے۔ بنِ باپ کے بچے کی پیدائش اللہ رب العزت کی قدرتِ کاملہ کی مظہر ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو جب آپ کی پیدائش کی خوشخبری سنائی گئی تو انسانی فطرت کے عین مطابق انہوں نے اُس پر استعجاب کا اظہار کیا کہ ظاہری اسباب و علل کے بغیر ایسا ہونا باعثِ تعجب اور معمول کے خلاف ہے۔ قدرتی طور پر حضرت مریم علیہا السلام یہ اطلاع پا کر تصویرِ حیرت بن گئیں لیکن حیرت کے اس اظہار میں قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ کے انکار کا شائبہ تک موجود نہیں:

قَالَتْ اَنْىٰ يَكُوْنُ لِىْ غُلَامٌ وَّ لَمْ  
يَمْسَسْنِىْ بَشَرْ وَّ لَمْ اَكُ بِغِيًّا ۝  
(مریم، ۱۹: ۲۰)

(مریم نے) کہا: ”میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، جبکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار

ہوں“ ۝

حضرت مریم علیہا السلام کے استعجاب پر خوشخبری لے کر آنے والے فرشتے نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا:

قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ  
عَلٰى هٰٓئِىْن وَّ لِنَجْعَلَهٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَّ  
رَحْمَةً مِّنَّا وَّ كَانَ اَمْرًا مَّقْضٰیًّا ۝  
(مریم، ۱۹: ۲۱)

(جبریل نے) کہا: ”(تعجب نہ کر) ایسے ہی ہو گا (کیونکہ) تیرے رب نے فرمایا ہے: یہ (کام) مجھ پر آسان ہے اور (یہ اس لئے ہو گا) تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشانی اور اپنی



جانب سے رحمت بنا دیں اور یہ امر

(پہلے سے) طے شدہ ہے، ۵

گویا اُس عظیم معجزے کے ظہور سے بھی مقصود بندگانِ استعجاب و حیرت پر خالقِ کائنات کی قدرتِ کاملہ کو اس طرح آشکار کرنا ہے کہ ذہنِ انسانی پر جمی تشکیک کی دُھول دُھل جائے اور ایمان و ایقان کا چہرہ نکھر آئے۔ بندہ ایمانِ کامل کی دولت سے سرفراز ہو اور اللہ کی یہ نشانیاں دیکھ کر اُس کے اعتقادات میں مزید پختگی پیدا ہو اور وہ دِل و جان سے تسلیم کر لے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ خدائے ذوالجلال کے حکم کا پابند ہے اور عناصرِ فطرت اُسی کی مشیت کے تابع ہیں۔

### معجزہ کا صدور اذنِ الہی سے ہوتا ہے

جب معجزہ قدرتِ الہیہ کا آئینہ دار ہے اور یقیناً ہے تو معجزہ کا صدور بھی اذنِ الہی سے ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ کا نبی یا اُس کا رسول جب چاہے اور جیسے چاہے اُس کے ہاتھ پر معجزات کا صدور ہوتا جائے کیونکہ معجزہ کا سبب اور علتِ براہِ راست باری تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہے۔ یہ ارادہ اور مشیت کبھی عادتِ جاریہ اور اسباب و علل کے پردہ میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی مشیتِ الہی اسباب و علل کی بجائے کھلی نشانی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

پہلی صورت کی مثال طوفانِ نوح ہے، قومِ ہود کے لئے آتش فشاں پھٹ پڑا اور تباہ کن زلزلے نے اُنہیں گھیر لیا، حضرت ایوب علیہ السلام چشمے کے پانی سے صحت یاب ہو گئے، قوم صالح کے لئے آندھی آئی، مکہ میں خوفناک قحط پڑا، غزوہٴ خندق کے موقع پر زبردست آندھی چلی۔ یہ تمام واقعات ظاہری اسباب و علل کے خلاف نہیں بلکہ ارادہ و مشیتِ الہی سے ان چیزوں کا ظہور ہوا تا کہ اللہ کے بندے علاماتِ حق سے آشنا

ہوں اور اُن کے ایمان میں پختگی آئے۔

دوسری صورت کی مثال مُردوں کا جی اُٹھنا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، عصا کا سانپ بن جانا اور انگشتِ بیبر سے پانی کے چشمے کا جاری ہو جانا ہے۔ اِن خلافِ معمول واقعات کی توجیہ اسباب و علل سے ممکن نہیں اور نہ عادتِ جاریہ کے مطابق اِن کی تفہیم ہو سکتی ہے۔ اِس لئے کہ اُن کی علّتِ غائی اللہ ربّ العزّت کی مشیت اور ارادہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔ تاریخِ انبیاء کے اوراقِ اُلیس تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءِ علیہم السلام نے بھی اپنے معجزات کے حوالے سے یہی بتایا کہ اُن کے ہاتھ سے جو خلافِ معمول واقعات کا صدور ہو رہا ہے وہ صرف اور صرف باری تعالیٰ کی قدرت، مشیت اور اذن سے ہی ہوتا ہے۔ معجزے کی حقیقی علّت اور سبب بھی یہی ہے اور یہی حقیقتِ معجزہ ہے۔ چنانچہ معجزے کے ظہور سے انکار اللہ ربّ العزّت کی قدرتِ مطلقہ کا انکار ٹھہرے گا اور ایمان کا نور شرک کے اندھیروں اور مُخرف چہروں کے جنگل میں کھو جائے گا۔

اِس ساری بحث سے ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اِس کائناتِ رنگ و بو میں اسباب و علل کا نظام اللہ ربّ العزّت کی عادتِ جاریہ کے تابع ہے مگر وہ کبھی کبھی کسی حکمت و مشیت کے تحت اپنی عادتِ جاریہ کے برعکس بھی کسی چیز کا ظہور فرماتا ہے۔ اُسی ظہور کا نام معجزہ ہے۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ معجزہ اللہ کے نبی اور رسول کے اُس فعل کو کہتے ہیں جس کی توجیہ اسباب و علل سے ممکن نہ ہو اور عقلِ انسانی اُس حقیقت کا کامل ادراک کرنے سے قاصر رہے۔

فصل چہارم

# معجزہ..... لازمہ نبوت

معجزات کے ظہور سے انبیاء کی حاکمیت و تصرفات کو اجاگر کرنا اور شکوک و شبہات کی گرد میں اٹے ہوئے اذہان کو نورِ ایمان سے منور کرنا مقصود ہوتا ہے۔ معجزات اللہ رب العزت کی قدرتِ کاملہ کا پرتو ہوتے ہیں۔ ہدایتِ آسمانی کی روشنی میں اللہ اپنے بندوں کو صراطِ مُستقیم دکھاتا ہے اور ہر حوالے سے اپنے بندوں کی دلجوئی و دستگیری اور رہنمائی فرماتا ہے۔ اگرچہ نبی کو ہدایتِ آسمانی کی حَقّانیت ثابت کرنے کے لئے محیر العقول واقعات کی حاجت نہیں ہوتی تاہم اہل ایمان کے ایمان کی چٹنگی کے لئے نبی اور رسول کے ہاتھ پر معجزات کا صدور ہوتا ہے، تاکہ قصرِ ایمان اور غبارِ تشکیک میں ایمان اور تیقّن کے چراغ روشن ہوں اس لئے کہ مقصدیت ہر حوالے سے تخلیق کائنات کا اساسی رویہ قرار پاتی ہے۔ معجزات کے صدور سے انبیاء کی تصدیق کے ساتھ ساتھ انسانی اذہان میں اس عقیدے کو پختہ کرنا ہوتا ہے کہ اس کائناتِ رنگ و بو کا خالق ہر چیز پر قادر ہے اور چونکہ معجزات عطاۓ ربی ہوتے ہیں اس لئے اُن کا انکار خدائے دو جہاں کی قدرتِ کاملہ کا انکار ہے۔ قرآن حکیم اور احادیثِ نبوی ﷺ کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ باری تعالیٰ نے انسانوں کی رُشد و ہدایت کے لئے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا انہیں اپنے دعویٰ نبوت کی صداقت و حَقّانیت کے لئے ظاہری و باطنی معجزات سے بھی نوازا۔ ظاہری معجزات وہ ہیں جو خرقِ عادت کی صورت میں گاہے گاہے رُونا ہوتے ہیں جبکہ باطنی معجزات وہ ہیں جو اللہ کے نبی کے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ جلیلہ کے ساتھ ارشاداتِ جمیلہ پر مُشتمل ہوتے ہیں۔ نبی کا کردار اور اُس کی شخصیت ہی معجزاتی جمال کا مظہر

ہوتی ہے۔ قرآن حضور رحمت عالم ﷺ کی سیرت و کردار کو تمام انسانیت کے لئے بالعموم اور اہل ایمان کے لئے بالخصوص اُسوۂ حسنہ سے تعبیر کرتا ہے اور رہتی دُنیا تک اِس مینارہ نور سے اِکتسابِ شعور کی تلقین کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ  
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ  
بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (کی  
زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔

(الاحزاب، ۳۳: ۲۱)

کردار کی روشنی کے ساتھ تمام انبیاء کو ظاہری معجزات کی خلعتِ فاخرہ سے بھی نوازا گیا اور معجزہ لازمہ نبوت قرار پایا۔ قرآنی حوالوں سے چند ایک جلیل القدر انبیاء و رسل کے معجزات کا ذکر کیا جا رہا ہے:

#### ۱- حضرت نوح علیہ السلام

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحَيْنَا  
وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا  
أَنَّهُمْ مُّعْرِضُونَ  
اور تم ہمارے حکم کے مطابق ہمارے  
سامنے ایک کشتی بناؤ اور ظالموں کے  
بارے میں مجھ سے (کوئی) بات نہ کرنا  
وہ ضرور غرق کئے جائیں گے

(ہود، ۱۱: ۳۷)

#### ۲- حضرت ہود علیہ السلام

وَأَمَّا عَادُ فَاهْلِكُوا بِرِيحِ صَرْصَرٍ  
عَاتِيَةٍ ۖ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ  
لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى  
الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أُعْجَازُ  
نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۖ

اور رہی (قوم) عاد تو وہ ایک نہایت  
تندوتیز (اور) سخت ہوا سے تباہ کر  
دیئے گئے ۖ جس کو اللہ نے سات رات  
اور آٹھ دن تک متواتر مسلط رکھا پھر  
(اے مخاطب! اگر) تو اُن لوگوں کو

(الحاقہ، ۶: ۷۹، ۷۰) اُس (آندھی) میں دیکھتا تو اُن کو ایسا  
 گرا ہوا پاتا جیسے کھجور کے (بے حس و  
 حرکت) کھوکھلے تنے (پڑے ہوتے  
 ہیں) o

### ۳- حضرت صالح علیہ السلام

هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا  
 تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا  
 بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ الْيَوْمِ O  
 (الاعراف، ۷: ۷۳)

یہ اللہ کی اُوٹنی تمہارے لئے نشانی ہے، سو  
 تم اسے (آزاد) چھوڑے رکھنا کہ اللہ کی  
 زمین میں چرتی رہے اور اسے برائی  
 (کے ارادے) سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ  
 تمہیں دردناک عذاب آ پکڑے گا o

### ۴- حضرت ابراہیم علیہ السلام

قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ  
 فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى  
 كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءً ثُمَّ ادْعُهُنَّ  
 يَأْتِيَنَّكَ سَعِيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ  
 عَزِيزٌ حَكِيمٌ O  
 (البقرہ، ۲: ۲۶۰)

ارشاد فرمایا سو تم چار پرندے پکڑ لو پھر  
 انہیں اپنی طرف مانوس کر لو پھر (انہیں  
 ذبح کر کے) اُن کا ایک ایک ٹکڑا ایک  
 ایک پہاڑ پر رکھ دو، پھر انہیں بلاؤ وہ  
 تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں  
 گے اور جان لو کہ یقیناً اللہ بڑا غالب،  
 بڑی حکمت والا ہے o

### ۵- حضرت یوسف علیہ السلام

فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى  
 وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ

پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا،  
 اُس نے وہ قمیض یعقوب علیہ السلام کے

چہرے پر ڈال دی تو اُسی وقت اُن کی  
بینائی لوٹ آئی۔ یعقوب علیہ السلام نے  
فرمایا: ”کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ  
بیشک میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا  
ہوں جو تم نہیں جانتے“ ۵

لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا  
تَعْلَمُونَ ۝

(یوسف، ۱۲: ۹۶)

## ۶- حضرت موسیٰ علیہ السلام

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا (بیچے)  
ڈال دیا تو اُسی وقت صریحاً اُڑدھا بن  
گیا ۵ اور اپنا ہاتھ (گریبان میں ڈال  
کر)

فَالْقِيَ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ  
مُبِينٌ ۝ وَ نَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ  
بِضَاءٌ لِلنَّظَرِ ۝

(الاعراف، ۷: ۱۰۷، ۱۰۸)

نکالا تو وہ (بھی) اُسی وقت دیکھنے والوں  
کے لئے (چمکدار) سفید ہو گیا ۵

## ۷- حضرت داؤد علیہ السلام

اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں (تک)  
کو داؤد علیہ السلام کے (حکم کے) ساتھ  
پابند کر دیا تھا۔ وہ (سب اُن کے ساتھ مل  
کر) تسبیح پڑھتے تھے اور ہم ہی (یہ سب  
کچھ) کرنے والے تھے ۵

وَ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ  
يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ وَ كُنَّا فاعِلِينَ ۝  
(الانبیاء، ۲۱: ۷۹)

## ۸- حضرت سلیمان علیہ السلام

پھر ہم نے (اُن کی اُس دعا کو قبول فرمایا

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ

رُخَاءَ حَيْثُ أَصَابَ ۝  
(اور) ہوا کو اُن کا تابع (فرمان) کر دیا کہ  
وہ اُن کے حکم سے جہاں وہ جانا چاہتے  
نرم انداز سے چلتی ۝

۹۔ حضرت زکریا علیہ السلام  
قَالَ رَبِّ اَنْنِ يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَّ  
كَانَتْ اَمْرًا نَّبٰى عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتَ  
مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ  
قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰى هٰٓئِنٍ  
(مریم، ۱۹: ۸، ۹)  
(زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا: ”اے  
میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہو  
سکتا ہے، درآ خالی کہ میری بیوی بانجھ  
ہے اور میں خود بڑھاپے کے باعث  
(انتہائی ضعف میں) سوکھ جانے کی  
حالت کو پہنچ گیا ہوں“ ۝ فرمایا:  
”(تعب نہ کرو) ایسے ہی ہو گا،  
تمہارے رب نے فرمایا ہے: یہ (لڑکا  
پیدا کرنا) مجھ پر آسان ہے۔“

۱۰۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
اَنْنِ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ  
اَنْنِ اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِّنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ  
الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا  
بِاِذْنِ اللّٰهِ۔  
(آل عمران، ۳: ۴۹)  
بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی  
جانب سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں۔  
میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی  
شکل جیسا (ایک پتلا) بناتا ہوں..... پھر  
میں اُس میں پھونک مارتا ہوں..... سو وہ  
اللہ کے حکم سے فوراً اُڑنے والا پرندہ ہو  
جاتا ہے۔



## ۱۱- حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا  
مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى  
الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا  
حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ  
السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

(الاسراء، ۱: ۱۷)

وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک  
ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں  
اپنے (محبوب اور مقرب) بندے کو  
مسجد حرام سے (اُس) مسجد اقصیٰ تک  
لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے  
بابرکت بنا دیا ہے، تاکہ ہم اُس (بندہ  
کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بیشک  
وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا

ہے ۝

خالق کون و مکاں نے اپنی آخری الہامی کتاب میں اُن معجزات کا ذکر کیا ہے جن  
کا اُس کے انبیاء و رسل کے ہاتھ پر ظہور ہوا۔ ان کے علاوہ بھی بعض ایسے انبیاء علیہم السلام کا  
ذکر موجود ہے جن کے معجزات کے بارے میں قرآن خاموش ہے۔ مثلاً حضرت اسحاق  
علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ذوالکفل علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام۔ ان انبیاء کا  
تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے لیکن ان کے معجزات کا بیان درج نہیں۔ قرآن کی اس  
خاموشی سے ہرگز ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان انبیاء علیہم السلام کو اللہ رب العزت  
نے معجزات سے سرفراز نہیں کیا اور انہیں کسی بُراں سے نہیں نوازا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی  
متفق علیہ حدیث مبارکہ ہے کہ تاجدارِ کائنات حضور رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من الأنبياء نبي إلا أعطى من  
الآيات ما مثله أو من - أو أمن  
جملہ انبیائے کرام میں سے ہر نبی کو اُس  
(کے زمانے) کی مثل معجزات عطا کئے

علیہ البشر۔  
گئے جس کے سبب اُس پر ایمان لایا گیا یا  
لوگ اُس پر ایمان لے آئے۔

۱۔ صحیح البخاری، ۲: ۸۰۰ کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، رقم: ۶۸۴۶

۲۔ صحیح مسلم، ۱: ۸۶ کتاب الایمان، رقم: ۲۳۹

۳۔ مسند احمد بن حنبل، ۲: ۳۴۱

اللہ رب العزت نے اپنے انبیاء و رسل میں سے ہر کسی کو معجزات کی خلعتِ فاخرہ سے نوازا، باطنی معجزات کو اُن کے کردار اور شخصیت کا حصہ بنایا اور ظاہری معجزات کا صدور اُن کے ہاتھ پر کیا۔ ہر نبی اور رسول کو اپنی دعوت کے حوالے سے جس سطح کے معاندین اور منکرین کا سامنا تھا اُسی اعتبار سے اہمیت کے حامل معجزات کا صدور ہوا۔ زمانے اور علاقے کی آبادی کے اعتقادی حوالوں اور ذہنی استعداد کے مطابق معمولی اور غیر معمولی معجزات کا ظہور ہوتا رہا اور عقلِ انسانی انہیں اپنے احاطے میں لینے سے عاجز آتی رہی۔

اثباتِ معجزہ  
اور  
جدید سائنسی تحقیقات

## فصل اول:

# اثباتِ مُعجزہ اور عقلِ ناقص کا کردار

ابتدائے آفرینش سے آج تک تاریخِ ارتقاءِ انسانی اس امر پر شاہد عادل ہے کہ اس کرۂ ارضی پر بسنے والی اولادِ آدم نے مادی اور روحانی دونوں دنیاؤں میں تحقیق و جستجو اور علم و عمل کے چراغوں کی روشنی میں حرفِ حق کی تلاش کا سفر ہمیشہ جاری رکھا ہے۔ ہر عہد کی اپنی ایک سچائی ہوتی ہے۔ ذہنِ انسانی ہر واقعہ اور ہر نظریہ کو اس سچائی کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور قلب و نظر میں تیقن کے چراغ جلا کر اطمینان، سکون، امن، آسودگی اور عافیت کے جواہر سے اپنے دامنِ آرزو کو سجاتا ہے۔ فاران کی چوٹیوں پر جب ہر عہد کی دانش کا آفتاب لازوال طلوع ہوا تو دنیا جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کی دبیز تہ میں لپٹی ہوئی تھی، شعور و آگہی کی ہر کرن غبارِ تشکیک کے تاریک سمندر کا رِزق بن چکی تھی۔ اگر کہیں تفکر کے چراغ روشن بھی تھے تو وہ بھی فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلِ عیار کی مَن مانی تاویلات کی گرد میں کچھ اس طرح سے اٹے ہوئے تھے کہ زندگی کے آئینہ خانے کا ہر عکس اپنی شناخت سے محروم ہو چکا تھا اور ہر طرف مقصدیت سے محروم بے چہرہ لوگ ہجوم در ہجوم جنگل کی خوفناک تاریکی میں بھٹک رہے تھے۔

ظہورِ اسلام کے وقت دُنیا سائنسی علوم سے یکسر نابلد تھی۔ یونانی فلسفہ ہی عقل کا معیار متصور ہوتا تھا۔ تفسیرِ حیاتِ انسانی فلسفے کی لوح پر رقم تھی اور جملہ حقائق و واقعات کو فلسفے کے حوالے سے دیکھنے کا رواج تھا۔ چنانچہ اوائلِ دورِ اسلام میں یونانی فلسفے سے متاثر سیرت نگار حضور ختمی مرتبت ﷺ کے معجزات کو فلسفے کی روشنی میں حق

ثابت کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دورِ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مُجراتِ حضور ﷺ کے موضوع پر جتنا بھی علمی کام ہوا اُس کے پس منظر میں یہی فلسفیانہ توجیہات کارفرما تھیں۔

آج کا دور سائنس کا دور ہے، جس میں سائنٹیفک اپروچ (Scientific Approach) ہر تحقیق کا بنیادی وصف قرار پائی ہے۔ آج کا کم پڑھا لکھا سادہ انسان جو سائنسی علوم سے براہِ راست اس قدر شغف نہیں رکھتا، وہ بھی کم از کم سائنسی طریقِ کار سے آگاہ ضرور ہے۔ اُس کے اطمینانِ قلب کے لئے بھی سائنس کو کسوٹی بنا کر حقائق کو پرکھنے کا عمل جاری رکھنا ضروری ہے۔ جدید ذہن محض سنی سنائی بات پر یقین نہیں رکھتا۔ ہمارے عہد کے بچے بھی جگنو کی روشنی کو دِن کے اُجالوں میں پرکھنے کی ضد کرتے ہیں۔ شعور و ادراک کی یہ منزل صحت مند سوچ کے ایوان کا بنیادی پتھر ہے۔

### ہر دور کے بنیادی تقاضے مختلف ہوتے ہیں

عہدِ جدید کا ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ سائنسی بنیادوں پر کام کرنے سے نتائج کس طرح درست برآمد ہوتے ہیں۔ چنانچہ عصرِ حاضر کے انسان سے مخاطب ہونے اور اُسے اسلامی عقائد و تعلیمات سے رُشناس کرانے کے لئے کہ وہ ان عقائد و تعلیمات کو اپنے روز و شب کا عنوان بنالے، ”جدید علمِ کلام“ کی ضرورت ہے۔ موجودہ دور ”صغریٰ“ اور ”کبریٰ“ کے مابین واقع ”حدِ اوسط“ کو گرا کر ”نتیجہ“ تک پہنچنے کا دور نہیں بلکہ اس دور میں تجربہ، مشاہدہ، مفروضہ اور پھر بارہا تجربات سے حاصل شدہ تنظیمِ نتائج کے ذریعے ”نظرِ یے“ تک پہنچنے کا اُسلوب، حقیقی عقلی اُسلوب کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہر عہد کے بنیادی تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔

سیدنا علیؑ کا فرمان ہے: ”اپنے بچوں کو وہ تعلیم نہ دو جو تمہارے والدین نے تمہیں دی تھی، کیونکہ اُن کا زمانہ تمہارے زمانے سے مختلف ہے۔“ یہ انتہائی ترقی پسندانہ رویہ اجتماعی سطح پر وہی قومیں اپنا سکتی ہیں جو ستاروں پر کمندیں ڈالنے کے ہنر سے بہرہ ور ہوں اور جو آسمان کے کناروں سے نکل کر تسخیر کائنات کے سفر کو اپنا شعار بنائیں۔

قرونِ وسطیٰ میں یونانی فلسفے کی اسلامی عقائد پر یلغار کے جواب میں اُس دور کے علمائے کرام اور ائمہِ محظوم نے علمِ کلام کو فروغ دیا اور اس کے ذریعے ثابت کیا کہ اسلام ہی وہ سچا دین ہے جو ہر شعبہٴ زندگی میں انقلاب آفریں تبدیلیوں کا ممتنع ہے۔ آج کے زوال پذیر دور میں اگر ہم عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے آرزو مند ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم قوموں کی امامت کا فریضہ سرانجام دیں اور ہر دستارِ فضیلت ہمارے برہنہ سروں کا مقدر بنے تو ہمیں تبلیغِ دین اور فروغِ اسلام کا سارا کام اُز سر نو سائنسی بنیادوں پر مرتب کرتے ہوئے ذہنِ جدید کو یہ باور کرانا ہوگا کہ بطور نظام حیات اسلام کے نفاذ کے جتنے امکانات آج روشن ہیں شاید ماضیِ قریب میں اس سے پہلے کبھی نہ تھے۔ ہمیں سائنسی بنیادوں پر اسلام کی حقانیت کا پرچم بلند کرنا ہوگا۔ مُستشرقین کے بے تکلف الزامات کا منہ بند کرنے کے لئے..... فقط جذباتی سطح پر نہیں..... عقلی اور فکری سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنا پس منظر اور پیش منظر روشنیوں سے تحریر کرنے کے لئے ’جدید علمِ کلام‘ کو اپنانا ہوگا تاکہ ہم سائنسی اندازِ فکر رکھنے والے آج کے جدید معاشروں کے نا آسودہ ذہنوں کو آسودہ لحوں کی بشارت دینے کا کارنامہ سرانجام دیتے ہوئے انہیں نظری اور فکری حوالوں سے یہ باور کر سکیں کہ اسلام ہی ہر دور کے انسان کا فطری عقیدہ ہے، اور سکون سے محروم انسان کو اگر امن، عافیت اور آسودگی کی تلاش ہے تو اُسے دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ پر جھک جانا ہوگا کہ اس دہلیز سے پھوٹنے والی روشنی کی ہر کرنِ معجزاتی تاثیر لئے ہوئے ہے جو انسان کے حال و قال دونوں کو لذتِ آشنائی سے

ہمکنار کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

## معجزہ ایک ازلی صداقت کا نام ہے

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ فلسفہ و سائنس معجزے کی حقیقت کو حیثہ شعور میں لانے میں مدد و معاون تو ثابت ہو سکتے ہیں اور ایمان کی پختگی کا باعث بھی بن سکتے ہیں لیکن انہیں معجزات کی تفہیم کی اساس یا کلید قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ معجزات جو رب کائنات کی قدرت مطلقہ کا مظہر ہوتے ہیں کسی فلسفیانہ اور سائنسی توجہ کے محتاج نہیں ہوتے۔ معجزہ ایک ازلی صداقت کا نام ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ معجزہ وہ حقیقت ہے جو عقل انسانی کی تمام تر پرواز سے بالاتر ہے۔ معجزہ خلاف معمول اور خارج عادت افعال میں سے ہے۔ اس لئے کہ یہاں عقل مجبور محض ہو کر رہ جاتی ہے۔ تاجدار کائنات حضور رحمت عالم ﷺ کی ذات ستودہ صفات تو سراپا معجزہ ہے۔ وہ اس لئے بھی کہ قرآن اگر معجزہ ہے..... اور یقیناً ہے..... تو صاحب قرآن کی حیات مقدسہ کا اُسلوب بھی تمام معجزاتی کمالات کی تفسیر و تعبیر ہے۔ جس طرح آقائے نامدار ﷺ تمام نبیوں اور رسولوں کے جلو میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اور منصب اولیٰ پر جلوہ افروز ہیں، بالکل اسی طرح آپ ﷺ کا معجزاتی نظم بھی انبیائے ماسبق کے معجزات پر حاوی ہے اور انبیاء کے گروہ پاکبازوں کا کوئی فرد بھی نبوت کے خصائص و کمالات میں اور عظمت معجزات میں دُرِ یتیم، آمنہ کے لالہ ﷺ کا ہمسر نہیں۔

## انسانی عقل کا معجزہ

عقل کو کسی مسئلہ کی تفہیم کے لئے ایک خاص طریق کار میں سے گزرنا ہوتا ہے



اور ایک خاص اُسلوب اپنانا ہوتا ہے۔ مثلاً جب تک کوئی چیز آنکھوں سے دکھائی نہ دے عقل اُس کے عدم اور وجود میں امتیاز نہیں کر سکتی، زبان جب تک کسی چیز کو چکھ نہ لے عقل اُس کے ذائقے کی نوعیت کو پہچاننے سے معذور ہوتی ہے، ہاتھ جب تک کسی چیز کو چھو نہ لیں عقل اُس کی سختی یا نرمی کا تعین کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ انسان کو اپنی عقل پر بڑا ناز ہے، بھولا بھٹکا انسان یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ جو چیز عقل کے حیطہ ادراک میں نہ آ سکے وہ حقیقت ہی نہیں۔ ذہن انسانی آج بھی غبارِ تشکیک کی تاریکیوں میں گم ہے۔

یہ دور تشکیک نیا نہیں بلکہ آج سے تین ہزار سال پہلے بھی اس کرۂ ارضی پر ایسے ہی ایک دور کا غلبہ ہوا تھا، جو تاریخ کا متمدن دور کہلاتا ہے۔ ماڈی حوالے سے انسان ترقی کی کئی منازل طے کر چکا تھا۔ جمہوری شعور انسانی سوچوں کا مرکز و محور بنا ہوا تھا۔ یونان کی فضائیں علم و ہنر کی روشنی سے معمور تھیں لیکن فکری اور روحانی طور پر بانجھ سماعتوں کا قافلہ بھی زمین پر اُتر آیا تھا۔ فلاسفہ یونان نے اپنی سوچ اور فہم و ادراک کی تاریخ کا آغاز بھی اسی نکتے سے کیا تھا کہ جس بات کا ادراک عقل کرے وہ حقیقت، باقی سب فسانہ۔ فلسفہ کی تاریخ میں اُس دور کو ’دورِ اولیت‘ کہا جاتا ہے۔

یونانی فلاسفرز کے نزدیک کسی بھی چیز کی حقیقت کو جاننے کا ذریعہ محض عقل ہی ہے لیکن اُس کے ساتھ وہ اس حقیقت سے بھی انکار نہ کر سکے کہ ہزاروں حقیقتیں ایسی بھی ہیں کہ جن کو عقل انسانی بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس لئے کہ عقل انسانی کا انحصار حواسِ خمسہ پر ہے۔ گویا عقل کی بنیاد پر اُٹھائے گئے افکار و نظریات کی خود ہی نفی کر دی گئی کہ کچھ چیزیں ورائے عقل بھی ہوتی ہیں۔ بہر حال یہ دور بنیادی طور پر ’حسیت‘ کا دور تھا کیونکہ علم کا ماخذ و منبع حواسِ خمسہ کو قرار دیا گیا تھا اور اس بناء پر انہیں اپنے نقطہ نظر کے کھوکھلے پن کا احساس ہو گیا۔ طویل مدت کے بعد ہی سہی..... بہر حال اس نقطہ

نظر سے انحراف کی راہ اپنانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ پھر اُس کے بعد 'دورِ تشکیک' کا آغاز ہوا۔

فلسفہ کی تاریخ کا بیان ہمارا مقصود نہیں بلکہ بتانا یہ مقصود ہے کہ جس طرح آج کا انسان عقل کو فیصلہ کن سمجھتا ہے، آج سے تین ہزار سال پہلے کا انسان بھی عقل ہی کو فیصلہ کن گردانتا تھا۔ چنانچہ تاریخ کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ آج کے انسان کا نقطہ نظر بھی حتمی نہیں کہ عقل جس حقیقت کا انکار کر دے وہ حقیقت ہی نہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کو عقل کے پیمانے اور شعور کی کسوٹی پر پرکھنا اور کہتے پھرنا کہ چاند کسی ہستی کی اُنکلی کے اشارے پر کیسے دولخت ہو سکتا ہے! کسی کی مرضی پر سورج کیسے اُلٹی گردش پھر سکتا ہے! اور یہ کیسے ممکن ہے کہ کنکریوں میں جان پڑ جائے اور وہ بلند آواز سے کلمہ پڑھنا شروع کر دیں! کہاں کی دانائی ہے۔

### جدید سائنس کے اعترافات

اس کائناتِ رنگ و بو میں ورائے عقل بھی بہت سے حقائق ہیں۔ عقل کو خود اپنے اس عجز کا احساس ہے کہ کائنات کی ہر حقیقت اُس کے حیطہٴ ادراک میں نہیں آ سکتی۔ سائنس اُن حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے لیکن کاملاً اُنہیں سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ انسانی عقل حواسِ خمسہ کے ساتھ پرواز کرتی ہے۔ جہاں حواسِ خمسہ ساتھ چھوڑ دیں وہاں عقل کی پرواز موقوف ہو کر رہ جاتی ہے۔ حواس کے خام مواد کے بغیر عقل عضوِ معطل ہے۔ ایک پیدائشی بہرہ آواز کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، اسی طرح پیدائشی نابینا رنگ اور روشنی کی آمیزش سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اب یہ عقل کے لئے تدبیر و فکر کا مقام ہے کہ جس طرح چار حواس کی موجودگی میں پانچویں حس سے متعلقہ محسوسات سے آگاہی ممکن نہیں بالکل اسی

طرح اس کائناتِ ہست و بود میں ہزار ہا ایسی اشیاء اور ایسے حقائق موجود ہیں جو ہمارے پانچوں حواس کے دائرہ محسوسات سے ماوراء ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ تمام کائنات کی خلقت اُسی بنیادی ڈھانچے کی مطابقت میں عمل میں لائی گئی ہو جس بنیادی ڈھانچے کے مطابق انسانی حواس کی تخلیق ہوئی ہے؟ کائنات کے تمام موجودات کو حواسِ خمسہ کی کسوٹی پر پرکھنا ایسے ہی خلافِ عقل بات ہے جیسے کوئی نابینا اُسے چار حواس کے بل بوتے پر پرکھتا پھرے، وہ یقیناً صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ پوری کائنات تو دور کی بات ہے، اس کرۂ ارضی پر بھی کئی جاندار ایسے ہیں جن کی تخلیق اُس بنیادی ڈھانچے سے بہت مختلف طریق پر ہوئی ہے اور وہ ایسی بے شمار محسوسات سے یکسر نابلد ہیں جو حضرت انسان کے دائرہ اختیار میں شامل ہیں۔ اس ضمن میں چھپکلی اور سانپ کی بعض اقسام خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو محض دو ابعاد سے شناسا ہیں اور تیسرے بُعد (Dimention) کا وجود اُن کے حواس کے مطابق ناپید ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے جانوروں کا مخصوص رنگوں کے لئے 'کلر بلائینڈ' ہونا بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار احوال، واقعات اور حقائق انسان کے حواسِ خمسہ کی گرفت سے بھی کلیتاً آزاد ہیں۔

جدید سائنسی علوم تو قدیم فلسفے کی طرح اس بات سے بھی انکاری نہیں کہ حقیقت وہ ہے جس کی حواسِ خمسہ سے تصدیق و توثیق ممکن ہو۔ جدید سائنس خود ایسی سینکڑوں مخلوقات اور احوال و واقعات کی دریافت کا کارنامہ سرانجام دے چکی ہے جنہیں صرف حواسِ خمسہ اور محض عقلِ انسانی کے بل بوتے پر جاننا ممکن نہ تھا۔ مثلاً 'خوردین' (Microscope)، 'دور بین' (Telescope) اور 'پست موجی سراغ رساں' (Microwave Detector) جیسے آلات نے انسانی فہم و ادراک کو اس قابل کر دیا ہے کہ وہ ان دیکھی مخلوقات کو دیکھ سکے اور لاکھوں نوری سال

کی مسافت پر پیدا ہونے والے 'سیاہ شگافوں' (Black Holes) سے نکلنے والی 'ایکس ریز' کی بدولت اُن کا مشاہدہ کر سکے۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قدیم فلسفے کی نسبت جدید سائنس کو معجزات اور دیگر ماوراء العقل عقائد پر قائل کرنا نسبتاً آسان ہے۔ جس طرح آج سے چند صدیاں پیشتر آج کے سائنسی حقائق سے کوئی واقف نہ تھا بالکل اسی طرح آج کی جدید سائنس بھی اگلی صدیوں میں پیش آمدہ حقائق کا ادراک کرنے سے قاصر ہے۔ جدید سائنس نے دینِ اسلام..... جو درحقیقت دینِ فطرت ہے..... کی بیان کردہ بہت سی حقیقتوں کو من و عن تسلیم کر لیا ہے۔ باقی چند ایک مقامات پر اگر اشکال ہے تو عین ممکن ہے کہ اکیسویں صدی میں جو یقیناً اسلام کی صدی ہے، اسلام کے تمام عقائد و اعمال کے مبنی بر فطرت اور مبنی بر حقیقت ہونے کی شہادت بھی اُس وقت کی جدید ترین سائنس دینے کا اعزاز حاصل کرے۔ مغربی مفکرین اور مستشرقین نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں فکری مغالطوں اور علمی بددیانتیوں کے جو طومار باندھے تھے، اب انہیں جدید سائنسی انکشافات کی روشنی میں اپنی مفروضوں پر مبنی آراء سے رجوع کر لینا چاہئے کیونکہ جن حقائق کو اُن نام نہاد مفکرین نے تضحیک کا نشانہ بنا کر اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی انہیں جدید سائنس تسلیم کرتی جا رہی ہے۔ انہیں اپنی تحقیق اور اپنے گھر کی گواہی کو تسلیم کر لینا چاہئے اور ضد اور تعصب کی دلدل سے نکل کر اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہئے کہ یہی اہل علم کا شیوہ ہے۔ یہ معاملہ تو تھا اسلام کے عقائد و اعمال کے فطری ہونے کا، اب جہاں تک معاملہ ہے معجزات کا، تو معجزہ وہ حقیقت ہے جو کسی بھی دَور میں کاملاً فہمِ انسانی میں سامنے سے قاصر ہے۔ جدید سائنس کی روشنی میں معجزے کو جزوِ اسجھنا اور اُس کی جزوی توجیہہ کرنا کسی حد تک ممکن ہے مگر کاملاً معجزے کا ادراک تا قیامِ قیامت ممکن نہیں کیونکہ معجزہ اُن حقائق پر مشتمل ہوتا ہے جو حواسِ خمسہ اور عقلِ انسانی تو کجا انسان کے ایجاد کردہ تمام تر سائنسی آلات کی حدود

سے بھی ماوراء ہوتا ہے۔

سیاہ شگاف (Black Hole) کی کامل تفہیم کے بعد اگلی نسلوں کو اس کی بدولت وقت میں سفر کی ترغیب دینے والا آج کا انسان اپنی حیرت انگیز ایجادات کی بدولت اس کرۂ ارضی سے کروڑوں اور اربوں میل کی مسافت پر وقوع پذیر ہونے والے کائناتی تغیرات کا نہ صرف مشاہدہ کر رہا ہے بلکہ اُن مشاہدات کی روشنی میں اہل زمین کی سلامتی اور بقاء کے منصوبے بھی بنا رہا ہے اور اولادِ آدم کے لئے آسودہ لحوں کی تلاش میں اپنے نظامِ شمسی سے بھی بہت دُور خلا کی بے انت وسعتوں میں انسانی بستیاں آباد کرنے کا آرزو مند ہے۔ کائنات کی تسخیر کے اس سفر میں اُسے جن تجربات و مشاہدات سے گزرنا پڑا، وہ اُسے تخلیقِ آدم اور تخلیقِ کائنات کی اُن ابدی سچائیوں کے بہت قریب لے آئے ہیں جن کا ذکر آخری الہامی صحیفے..... قرآن مجید..... میں رب کائنات نے کھول کھول کر بیان کیا ہے اور جنوں اور انسان کو آسمانوں کی حدود سے نکل کر مشاہدہ حق کی ترغیب دی ہے۔ جوں جوں انسان جدید سائنسی علوم میں مہارت حاصل کر رہا ہے توں توں قرآن حکیم میں درج سائنسی حقائق کی تصدیق و توثیق ہوتی جا رہی ہے اور آج کا سائنسدان اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے حضور رحمتِ عالم ﷺ نے جو سائنسی انکشافات کئے تھے وہ الہام کے بغیر ممکن ہی نہیں، اس لئے قرآن آسمانی ہدایت کی سچی کتاب اور پیغمبرِ اسلام ﷺ اس کائنات کے خالق و مالک کے سچے رسول ہیں۔

## عادتِ الہیہ اور قدرتِ خداوندی کی تفہیم

جدید ترین کمپیوٹر ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ سے لے کر مصنوعی سیاروں اور خلائی سٹیشنوں کے وسیع و عریض نظام تک، انسانی زندگی میں تحقیق و جستجو کے اُن گنت چراغ

روشن ہیں۔ انسان اس تک و دہ میں ہے کہ کائنات کے راز ہائے سر بستہ سے پردہ اٹھا کر اُس کی تخلیق، مقصدِ تخلیق اور کائنات کے انجام سے آگاہی حاصل کرے اور پھر انسان کی تخلیق، اس کائنات میں اُس کے کردار اور دیگر حقائق کی تہہ تک پہنچ سکے۔ یہ سب کچھ ایک مربوط نظام کے تحت تکمیل پذیر ہے۔ اسے سادہ اور آسان الفاظ میں 'فطری نظام' کہتے ہیں جبکہ اصطلاحاً اسے 'تکوینی نظام' اور 'مکافاتِ عمل' کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس کائنات رنگ و بو میں صرف دو چیزوں کا ظہور ہوتا ہے:

### ۱- اللہ رب العزت کی عادت

### ۲- اللہ رب العزت کی قدرت

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ خالق کائنات کی عادت بھی اُس کی قدرت کا ملہ ہی کے تحت ہوتی ہے، تاہم اصطلاحاً اللہ کی عادت سے مراد اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ نظامِ فطرت یا تکوینی نظام ہے، جس کے تحت یہ کائنات پست و بالا مسلسل حرکت پذیر ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ کائنات کا آغاز تکوینی نظام کے تحت ہوا اور بالآخر اس کا انجام بھی اس تکوینی نظام کے تحت ہوگا۔

'اللہ کی قدرت' سے مراد تمام وہ افعال ہیں جو عام نظامِ فطرت سے ہٹ کر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی عادت کا ادراک و شعور اور اُس کے آغاز سے انجام تک تمام پہلوؤں کا احاطہ، عقلِ انسانی کی جہدِ مسلسل اور کوششِ بسیار کا حاصل ہے۔ اس کے برعکس اللہ کی قدرت کا ادراک ذہنِ انسانی کے بس کی بات ہی نہیں۔ مثلاً اگر نر اور مادہ کے امتزاج سے بچہ پیدا ہو تو بات اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ انسانی عقل میں سما جائے گی کہ یہ تیسرا فرد کیسے تخلیق ہوا، اور اگر اسباب و علل کے بغیر قدرتِ الہیہ کا ظہور ہو تو عقلِ اُس کا ادراک حاصل کرنے سے قاصر رہے گی۔ مثلاً

رب ذوالجلال محض خاک سے ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمادے تو یہ اللہ رب العزّت کی قدرت کا ظہور ہے، جس کا ادراک عقل سے ممکن نہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام کے ڈنڈے سے پہاڑ کا پھٹنا اور اُوثنی کا برآمد ہونا، حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بند کمرے میں بے موسمی پھل آنا..... یہ سب قدرتِ الہیہ کے نظارے ہیں۔ عقل ان نظاروں کے ادراک کی طاقت نہیں رکھتی۔ عقل کی پہنچ عادت کے مطابق ہوتی ہے اور جو چیز ماہیت کے لحاظ سے تو وقوع پذیر ہو مگر عادت کے خلاف ہو، وہ عقل کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ عقل ایک مقررہ اصول، سبب اور نتیجے کے تحت عادت کے نظام کو سمجھتی ہے اور جب عادت کا نظام ہی بدل جائے اور خدا کو اپنی قدرت کا اظہار مقصود ہو تو عقل اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے انبیائے کرام کے معجزات کو اپنی عقل کے پیمانے سے ماپنے والوں کو اس بنیادی نکتہ سے متفق ہونا پڑے گا کہ معجزہ کہتے ہی اُس امر کو ہیں جو عقل کی جملہ صلاحیتوں کو عاجز کر دے۔ اگر وہ واقعاً عقل کے دائرے میں آجائے تو وہ معجزہ نہیں ہے اور اگر معجزہ، معجزہ نہ رہے تو نبی کے کمالات کا انکار ہو جاتا ہے اور یہ صورت حال قدرتِ الہیہ کو کسی صورت میں قبول نہیں۔

### تمدنی اور ثقافتی پس منظر میں معجزات کا ظہور

تاریخِ انبیاء و مرسلین ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی اور ہر رسول کو کوئی نہ کوئی ایسا معجزہ ضرور عطا فرماتا ہے جو اپنے عہد کے معروضی حالات اور تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں عقلِ انسانی کسی نہ کسی فن کو اپنے عروج پر لے جا چکی ہوتی ہے، لہذا اُس نبی کے عہد کے لوگوں کے ذہنی اور فکری ارتقاء کو مد نظر

رکھتے ہوئے اُسے ایسا معجزہ عطا کیا جاتا ہے کہ اُس کے پورے دَور میں عقلِ انسانی کسی ایسی چیز کو ایجاد نہ کر سکے جو اُس نبی یا رسول کے معجزہ کو (نعوذُ باللہ) مات کر دے یا اُس معجزے کی نفی کر دے۔ معجزے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عقلِ انسانی کی ماحصل تمام تر ایجادات سے آگے نکل جائے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دَور نبوت میں یونانی اطباء حضرات عجیب عجیب بیماریوں کو دوا دے کر دُور کر دیتے تھے۔ یہ کارنامہ عقلِ انسانی کا تھا۔ اس فکری اور نظری پس منظر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ آپ مُردوں کو زندہ کر دیتے، مادرزاد اندھوں کو قوتِ بینائی عطا کر دیتے، کوڑیوں کو اِذنِ شفا سے ہمکنار کرتے۔ آپ کا پورا عہد اپنی تمام تر تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی ترقی کے باوجود اللہ کے نبی کے ایک بھی معجزے کا جواب پیش نہ کر سکا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہدِ مبارکہ میں عقلِ انسانی نے جادو جیسے فن کو ایجاد کیا۔ قرآن حکیم میں فرعون کے دربار کا ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ فرعون نے اللہ کے نبی کے مقابلے میں بڑے بڑے جادو گروں کو اکٹھا کیا اور انہیں اپنے کمالات دکھانے کے لئے کہا۔ جادو گرزین پر اپنی رسیاں پھینکتے تو وہ رسیاں سانپ بن جاتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن جادو گروں کے مقابلے میں اپنا عصا پھینکنے کا حکم ہوا اور یوں 'قدرتِ الہیہ' کے مظہر کے طور پر آپ کا عصا ایک اثر دہا بن کر سارے سانپوں کو نگل گیا۔

## معجزاتِ مصطفیٰ ﷺ کی ہمہ گیریت

سابقہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوتیں چونکہ زمان و مکان کی پابند تھیں اس لئے انہیں اُسی سطح کے محدود معجزات عطا کئے گئے۔ جب نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہوا تو گو پوری دُنیا جہالت کی تاریکیوں میں لپٹی ہوئی تھی، تاہم تمدنی اور ثقافتی



حوالوں سے آپ کا عہد ماضی سے یکسر مختلف تھا۔ یہ تاریخ ارتقاءِ نسلِ انسانی کا ایک ایسا دور تھا جس میں عقلِ انسانی ترقی کی کئی منازل طے کر چکی تھی اور اُسے قیامت تک تعمیر و ترقی کے اُن گنت مراحل سے گزرنا تھا اور کائنات کی وسعتوں میں بستیاں آباد کرنا تھیں۔ اِس لئے حضور ﷺ کو جو معجزات عطا کئے گئے وہ بھی جدید سائنسی علوم کے ذریعہ خلاؤں میں انسان کی پیش رفت کو مدِ نظر رکھ کر عطا کئے گئے۔ اِس لئے اب قیامت تک عقلِ انسانی سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جتنی بھی ترقی کرتی چلی جائے مُعجزہ مصطفوی ﷺ کی وسعتوں اور عظمتوں کا جزوی طور پر بھی جواب پیش کرنے سے معذور رہے گی۔

دورِ نبوتِ مصطفوی میں عقلِ انسانی کا سب سے بڑا کارنامہ جو بیسویں صدی کے آخر تک منصہ شہود پر چھایا رہا، وہ خلا کی تسخیر ہے۔ آج کا انسان زمین کی پستیوں سے اُٹھ کر خلا کی بلندیوں کو پھلانگتا ہوا چاند کو مسخر کر چکا ہے اور اکیسویں صدی میں مریخ اور دیگر سیارگانِ فلکی کی تسخیر کے لئے بھی کوشاں ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت ہونے والی نت نئی ایجادات کے بعد عقلِ انسانی کے پاس مُعجزہ معراجِ مصطفوی کو جھٹلانے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ اگر آج ناقصِ عقلِ انسان کا مادی اَسباب کی بناء پر خلاؤں کا سینہ چیرتے ہوئے چاند پر قدم جمانا اور اپنے نظامِ شمسی کی آخری بلندیوں کو چھونا ممکن ہے، تو مسببُ الاسباب کی عطا کردہ رُوحانی قوت کے ذریعہ سرورِ کائنات ﷺ کا آسمانوں کی وسعتوں کو چیرتے ہوئے سِدْرۃُ الْمُنْتَهٰی اور قَابِ قَوْسین تک جا پہنچنا کیونکر ممکن نہیں! عقلِ انسانی ایجادات کے جو اَنبار لگا رہی ہے، وہ مُعجزاتِ حضور ﷺ کی صحت کی دلیل کا کوئی نہ کوئی راستہ ہے۔ مُعجزے کا پورا ادراک عقلِ انسانی سے ممکن نہیں لیکن جب عقل اپنے

کمال..... یعنی اقرارِ نقص..... کی طرف بڑھی تو مُعجزے کی صحت کے قریب ہوتی چلی گئی۔ عقل جب تک عقلِ ناقص ہو..... نبی ﷺ کی عظمتوں کا اعتراف کرنے سے قاصر رہتی ہے، لیکن جب اپنے نقص کا اقرار و اعتراف کر کے عقلِ کامل بن جاتی ہے تو عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا کوئی نہ کوئی گوشہ اُس پر بھی آشکار ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی عقلِ ناقص کے بارے میں فرمایا تھا:

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور  
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

جدید سائنسی علوم کی تمام تر سعی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عادت کا راز تلاش کرنے میں پنہاں ہے۔ عادتِ الہیہ کے راز کی جستجو ہی سائنس کا مکمل دائرہ عمل ہے۔ مُعجزہ اللہ کی قدرت کا اظہار ہونے کے ناطے جدید سائنسی تحقیقات کی ساری جدوجہد اور ہر طرح کی کاوش کے باوجود اُس کے دائرہ کار سے خارج ہے۔ مُعجزے کی سطح کا آغاز ہی عادتِ الہیہ کی آخری سرحدوں سے ہوتا ہے اور سائنس تو ابھی عادتِ الہیہ کی ابجد بھی نہیں سیکھ پائی، البتہ قاعدہ مطابقت اور مماثلت کے تحت اللہ رب العزت کی عادت کے بیان میں بعض اوقات سائنس لاشعوری طور پر مُعجزے کی مؤید اور مُصدّق ضرور بنتی چلی جاتی ہے۔ اس حوالے سے تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

جدید سائنس  
اور  
معجزہ معراج

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جدید سائنسی علوم جن کا بنیاتی سچائیوں پر سے پردہ اُٹھا رہے ہیں اور قدم قدم پر انکشافات کی نئی نئی دنیاؤں کے ظہور کی تصدیق کر رہے ہیں، اس سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی آفاقی تعلیمات کی سائنسی توجیہ خود بخود ہوتی جا رہی ہے اور آج کا سائنسدان اپنی سائنسی تحقیقات کے حوالے سے قرآن کو الہامی کتاب اور حضور رحمت عالم ﷺ کو خدا کے فرستادہ پیغمبر آخراً ﷺ تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ اپنے تمام تر تعصبات کے باوجود انہیں اعتراف حقیقت کرتے ہی بنی ہے کہ اس کے سوا اُن کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں شاید اس کی ضرورت بھی نہ تھی مگر آج چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد معجزات نبوی پر سائنسی حوالوں سے غور و فکر کیا جا رہا ہے۔ صحابہ کرامؓ مثالی ایمان کے مالک تھے۔ خلافِ عادت واقعات دیکھ کر نہ وہ کسی فکری تذبذب کا شکار ہوتے، یقین کی راہوں پر اُن کے قصر ایمان کی دیواروں میں شگاف پڑتے اور نہ وہ مشروط کمٹمنٹ کے لئے حیلے بہانے تراشتے۔ اُن کے پائے استقلال میں لغزش کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، اس لئے کہ اُن کے سینے یقین محکم کی دولت سے معمور تھے۔ شکوک و شبہات کی گردان کے آئینہ دل پر ذرا سی بھی خراش نہ ڈال سکتی تھی۔

عہد جدید کا مسلمان غبار تشکیک میں گم ہے اور اُسے معجزات نبوی اور کمالات مصطفوی ﷺ سے بخوبی آگاہ کرنے کے لئے اُس کے ساتھ جدید سائنسی تناظر میں بات کرنا ضروری ہے۔ اگر مسلمان دانشور اس سلسلے میں محنت کریں تو نہ صرف یہ کہ

نوجوان نسل کا ایمان غارت ہونے سے بچایا جاسکتا ہے بلکہ غیر مسلموں کو بھی عظمتِ مصطفیٰ ﷺ سے رُوشناس کراتے ہوئے دُعاوت و تبلیغِ دین کا فریضہ بطریقِ احسن ادا کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ہم سرورِ انبیاء ﷺ کے بعض معجزاتِ جلیلہ کا جدید سائنسی حوالوں سے بالاختصار ذکر کریں گے تاکہ عقل کے غلام اور مادی سوچ رکھنے والے محققین بھی ربوبیتِ باری تعالیٰ کو دل و جان سے تسلیم کر کے بارگاہِ خداوندی میں سربسجود ہونے کا اعزاز حاصل کریں گے۔ اس جگہ تفصیل میں جائے بغیر چند چیدہ چیدہ معجزات کا ذکر صرف اجمالاً ہی کیا جائے گا، تفصیلی مطالعہ کے لئے کتاب کے آخری حصے میں موجود واقعاتِ معجزات پڑھنی حصہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

## عالمِ بشریت کی زد میں

معراجِ کمالِ معجزاتِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ یہ وہ عظیم خارقِ عادت واقعہ ہے جس نے تسخیرِ کائنات کے مقفل دروازوں کو کھولنے کی ابتداء کی۔ انسان نے آگے چل کر تحقیق و جستجو کے بند کواڑوں پر دستک دی اور خلاء میں پیچیدہ راستوں کی تلاش کا فریضہ سرانجام دیا۔ رات کے مختصر سے وقفے میں جب اللہ رب العزت حضورِ رحمتِ عالم ﷺ کو مسجدِ حرام سے نہ صرف مسجدِ اقصیٰ تک بلکہ جملہ سماوی کائنات (Cosmos) کی بے انت و وسعتوں کے اُس پار ”قَابِ قَوْسَيْنِ“ اور ”أَوَّاذْنِی“ کے مقاماتِ بلند تک لے گیا اور آپ مدتوں وہاں قیام کے بعد اُسی قلیل مدتی زمینی ساعت میں اِس زمین پر دوبارہ جلوہ افروز بھی ہو گئے۔

آج سے چودہ سو سال قبل علومِ انسانی میں اتنی وسعت تھی اور نہ اتنی گیرائی اور گہرائی کہ معجزاتِ رسول ﷺ کا کوئی ادنیٰ جز وہی اُن کے فہم و ادراک میں آجاتا حتیٰ کہ اُس وقت بہت سے علومِ جدیدہ کی مبادیات تک کا بھی دُور دُور تک کہیں نام و نشان

نہ تھا۔ آج عقلِ انسانی اپنے ارتقاء، اپنی تحقیق اور جستجو کے بل بوتے پر جن کائناتی صداقتوں اور سچائیوں کو تسلیم کر رہی ہے، ہزاروں سال قبل ان کی تصدیق و توثیق وحیِ الہی کے بغیر ممکن نہ تھی۔ تاریخ شاہدِ عادل ہے کہ جمیع مسلمانانِ عالم ایمان بالغیب اور قدرتِ الہیہ کے ظہور پر ایمان رکھنے کی وجہ سے بغیر دلیل معجزاتِ مصطفیٰ ﷺ کے ہمیشہ قائل رہے۔ عہدِ حضور ﷺ، عہدِ صحابہ اور بعد میں آنے والے اُن مسلمانوں کا ایمان قابلِ رشک اور قابلِ داد تھا کہ ظہورِ قدرتِ الہیہ کے ناقابلِ فہم و ادراک ہونے کے باوجود اُن کا ایمان کبھی متزلزل نہیں ہوا، اُن کے آئینہ دل پر کبھی بھی شبہات کی گرد اور وسوسوں کی دُھول نہیں پڑی، اُن کے آئینہ شعور میں بھی کبھی کوئی بال نہیں آیا۔ آج سے چودہ سو سال قبل عقلی بنیادوں پر دورانِ معراج آن کی آن میں ساتوں آسمانوں کی حدود سے گزر کر لامکاں تک جا پہنچنا اور اسی لمحے میں اس کھربوں نوری سال کی مسافت کو طے کر کے واپس سرزمینِ مکہ پر تشریف لے آنا تو گجائز مین کی بالائی فضا میں پرواز کا تصور بھی ناقابلِ یقین محسوس ہوتا ہے اور دوسری طرف آج کا انسان اللہ ربِّ العزّت کی عطا کردہ تخلیقی صلاحیتوں کی بدولت عالمِ اسباب کے اندر رہتے ہوئے اپنی کسی اتباعِ معجزہ معراج میں کائنات کو مسخر کرنے کا عزم لے کر نکلا ہے۔ اگرچہ آج کا انسان صبح و شام فضائے بسیط میں محو پرواز ہے لیکن اگر واقعہ معراج کو اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ جِبطہ شعور میں لایا جائے تو خلائی سفر کے مخصوص لوازمات کے بغیر کرۂ فضا سے باہر ایتھر (Ather) میں کروڑوں نوری سال کا سفر طے کرنے کا تصور آج بھی ناممکن دکھائی دیتا ہے۔

## فضائے بالائی مختلف کیفیات

یہ کرۂ ارضی گیسوں پر مشتمل ایک ایسے شفاف غلاف میں لپٹا ہوا ہے، جو زمین

پر زندگی کو ممکن بھی بناتا ہے اور شہاب ثاقب کی بارش میں اس پر پرورش پانے والی زندگی کو تحفظ کی ردا بھی فراہم کرتا ہے۔ آج کے اس خلائی تحقیقات کے دور میں جب انسان خلا کے سفر پر روانہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے مرحلے میں اُسے سینکڑوں کلو میٹر کی گہرائی پر مشتمل زندگی بخش ہواؤں کے اسی سمندر کو عبور کرنا ہوتا ہے۔

ہوائی سفر میں زیادہ بلندی پر آکسیجن کی کمی کی صورت میں گیس ماسک (Gas Mask) استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاز کے اندر مصنوعی طور پر ہوا کا دباؤ (Air Pressure) بھی بنایا جاتا ہے اور اگر کسی تیکنیکی خرابی کی وجہ سے مکینف (Air Tight) جہاز میں سوراخ ہو جائے تو جہاز کے اندر کا مصنوعی دباؤ تیزی سے گر جاتا ہے، جس سے مسافروں کے اجسام سخت اضمحلال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض صورتوں میں مسافروں کے منہ، ناک اور کانوں سے خون بھی بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر فوری طور پر دوبارہ مصنوعی دباؤ بنانا ممکن نہ ہو تو پائلٹ تیزی سے جہاز کی بلندی گراتے ہوئے اُسے اُس مخصوص سطح تک لے آتے ہیں، جہاں ہوا کا مناسب دباؤ موجود ہوتا ہے اور مسافر مزید پریشانی اور جانی نقصان سے بچ جاتے ہیں۔

## خلائی سفر کی لابدی ضروریات

خلائی سفر پر روانگی کے دوران کرہ ہوائی (Atmosphere) سے باہر نکلنے کے لئے کم از کم 40,000 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ خلا نوردوں (Astronauts) کو آکسیجن اور مصنوعی دباؤ کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص لباس ”Pressure suit“ بھی درکار ہوتا ہے جو انہیں درجہ حرارت کی شدت کے علاوہ برقی مقناطیسی لہروں (Electro Magnetic Radiations) سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ EVA Spacesuit جو ایک انسان کو خلائی سفر کے

دوران آکسیجن کی فراہمی، مناسب حرارت، کمیونیکیشن اور خلاء میں قیام کے لئے دیگر ضروری سہولیات فراہم کرتا ہے، کے علاوہ Manned Maneuvering Unit (MMU) کی بدولت انسان اس قابل بھی ہو چکا ہے کہ خلائی شٹل سے باہر نکل کر ایک مصنوعی سیارے کی طرح زمین کے مدار میں طویل وقت کے لئے آسانی چہل قدمی کر سکے۔

## تسخیرِ ماہتاب ..... انسان کا بعید ترین خلائی سفر

ہوائی سفر کی مشکلات پر بتدریج قابو پایا جا رہا ہے اور اب یہ سفر کسی حد تک محفوظ خیال کیا جاتا ہے لیکن خلائی سفر میں انسان کو فنی اور تکنیکی پیچیدگیوں کا ہی سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ نفسیاتی الجھنیں بھی اُس کا دامن تھام لیتی ہیں۔ خلاء کا سفر خطرات سے خالی نہیں، لیکن جذبہ تسخیر کا نثار عزم و عمل کے سانچے میں ڈھالتا ہے تو انسان چاند کی سطح پر اپنی عظمت کا پرچم نصب کرنے کے بعد اپنے خلائی سفر کے اگلے مرحلے کی منصوبہ بندی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ بیسویں صدی میں یہ کارنامہ سرانجام دیا جا چکا ہے۔

خلائی تحقیقات کے امریکی ادارے National Aeronautics and Space Agency (NASA) کی طرف سے تسخیرِ ماہتاب کے لئے شروع کئے گئے دس سالہ اپالو مشن کے تحت جولائی 1969ء میں چاند کا پہلا کامیاب سفر کرنے والے Apollo-11 کے مسافر امریکی خلا نورد نیل آرمسٹرانگ (Neil Armstrong) اور ایڈون (Edwin Buzz) تارنخ انسانی کے وہ پہلے افراد تھے جو چاند کی سطح پر اترے جبکہ اُن کا تیسرا ساتھی 'کولنر' (Collins) اُس دوران مصنوعی سیارے کی مانند چاند کے گرد گھوم رہا تھا۔ اس دوران امریکی ریاست فلوریڈا



میں قائم زمینی (KSC) Kennedy Space Center میں موجود سائنسدان انہیں براہ راست ہدایات دے رہے تھے۔ ضروری تجربات کے علاوہ مختلف ساخت کے چند پتھروں کے نمونے وغیرہ لے کر، روانگی سے محض دو دن بعد خلا نوردوں کا یہ مہم جو قافلہ واپس زمین پر آ گیا۔ اس مہم کے دوران پل پل کی خبری وی اور ریڈیو کے ذریعہ زمین کے مختلف خطوں میں بسنے والے انسانوں تک پہنچائی جاتی رہی۔ عالم انسانیت کی ان خلائی فتوحات اور تسخیر ماہتاب کا ذکر چودہ صدیاں قبل صحیفہ کمال یعنی قرآن مجید میں پوری وضاحت کے ساتھ کر دیا گیا تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَ الْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرَكَبْنَ ۝ قَسَمٌ هُوَ چاند کی جب وہ پورا دکھائی دیتا  
طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ فَمَا لَهُمْ لَا ۝ ہے تم یقیناً طبق در طبق ضرور سواری  
يُؤْمِنُونَ ۝ کرتے ہوئے جاؤ گے ۝ تو انہیں کیا ہو

(الانشقاق، ۸۴: ۱۸-۲۰) گیا ہے کہ (قرآنی پیشینگوئی کی

صداقت دیکھ کر بھی) ایمان نہیں لاتے ۝

قرآن حکیم کے علاوہ بائبل سمیت دیگر صحائف آسمانی اور مذہبی کتب میں اس قدر درست سائنسی حوالے بالکل نہیں ملتے۔ درج بالا آیت مبارکہ میں تسخیر ماہتاب کا جو واضح اشارہ ہے، بیسویں صدی کے انسان نے اُس اشارے کی عملی تفسیر اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ آج کے انسان نے کامیابی و کامرانی کی ان گنت منازل طے کر لی ہیں۔ علوم جدیدہ انسان کے ذہن کو کشادگی بخش رہے ہیں۔ ابھی ہوئی گرہیں کھل رہی ہیں اور کائنات اپنی ازلی صداقتوں کے ساتھ نکھر کر اُس کے سامنے بے نقاب ہوتی چلی آ رہی ہے۔ لیکن اپنی تمام تر مادی ترقی کے باوجود ابھی تک انسان روشنی کی رفتار سے سفر کرنے کی صلاحیت حاصل نہیں کر سکا۔ روشنی 1,86,000 میل

(تین لاکھ کلومیٹر) فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے اور سائنس کی زبان میں اس قدر رفتار کا حصول کسی بھی مادی شے کے لئے محال ہے۔

## روشنی کی رفتار کے حصول میں حاصل رکاوٹیں

ممتاز سائنسدان 'البرٹ آئن سٹائن' نے 1905ء میں 'نظریہ اضافیت' (Special Theory of Relativity) پیش کیا۔ اُس تھیوری میں آئن سٹائن نے وقت اور فاصلہ دونوں کو تغیر پذیر قرار دیتے ہوئے واضح کیا کہ زمان و مکا (Time & Space) کی گتھیاں اس تھیوری کے کما حقہ ادراک کے بغیر نہیں سلجھ سکتیں۔

آئن سٹائن نے ثابت کیا ہے کہ مادہ (Matter) توانائی (Energy) کشش (Gravity) زمان (Time) اور مکان (Space) میں ایک خاص ربط اور ایک خاص نسبت پائی جاتی ہے۔ اُس نے یہ بھی ثابت کیا کہ ان سب کی مطلقاً کوئی حیثیت نہیں۔ مثلاً جب ہم کسی وقت یا فاصلے کی پیمائش کرتے ہیں تو وہ اضافی (Relative) حیثیت سے کرتے ہیں۔ گویا کائنات کے مختلف مقامات پر وقت اور فاصلہ دونوں کی پیمائش میں کمی و بیشی ممکن ہے۔ نظریہ اضافیت میں آئن سٹائن نے یہ بھی ثابت کیا کہ کسی بھی مادی جسم کے لئے روشنی کی رفتار کا حصول ناممکن ہے اور ایک جسم جب دو مختلف رفتاروں سے حرکت کرتا ہے تو اُس کا حجم بھی اُسی تناسب سے گھٹتا اور بڑھتا ہے۔

آئن سٹائن برسوں کے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ انتہائی تیز رفتار متحرک جسم کی لمبائی اُس کی حرکت کی سمت میں کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ روشنی کی 90% رفتار سے سفر کرنے والے جسم کی کمیت دوگنا ہو جاتی ہے، جبکہ اُس کا حجم نصف رہ جاتا

ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وقت کی رفتار بھی اُس پر نصف رہ جاتی ہے۔  
مثال: مثال کے طور پر اگر کوئی راکٹ 1,67,000 میل فی سیکنڈ (روشنی کی رفتار کا 90%) کی رفتار سے 10 سال سفر کرے تو اُس میں موجود خلا نورد کی عمر میں صرف 5 سال کا اضافہ ہوگا جبکہ زمین پر موجود اُس کے جڑواں بھائی پر 10 سال گزرنے کی وجہ سے خلا نورد اُس سے 5 سال چھوٹا رہ جائے گا۔ آئن سٹائن نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ انسانی جسم کی اس تحیر العقول رفتار پر نہ صرف دل کی دھڑکن اور دورانِ خون بلکہ انسان کا نظامِ انہضام اور تنفس بھی سست پڑ جائے گا۔ جس کا لازمی نتیجہ اُس خلا نورد کی عمر میں کمی کی صورت میں نکلے گا۔

آئن سٹائن کے اس نظریہ کے مطابق روشنی کی رفتار کا 90% حاصل کرنے سے جہاں وقت کی رفتار نصف رہ جاتی ہے، وہاں جسم کا حجم بھی سکڑ کر نصف رہ جاتا ہے اور اگر مادی جسم اس سے بھی زیادہ رفتار حاصل کر لے تو اُس کے حجم اور اُس پر گزرنے والے وقت کی رفتار میں بھی اُسی تناسب سے کمی ہوتی چلی جائے گی۔ اس نظریے میں سب سے دلچسپ اور قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال کوئی مادی جسم روشنی کی رفتار حاصل کر لے تو اُس پر وقت کی رفتار بالکل ختم جائے گی اور اُس کی کمیت بڑھتے بڑھتے لامحدود ہو جائے گی اور اُس کا حجم سکڑ کر بالکل ختم ہو جائے گا، گویا جسم فنا ہو جائے گا۔ یہی وہ کسوٹی ہے جس کی بنیاد پر آئن سٹائن اس نتیجے پر پہنچا کہ کسی بھی مادی جسم کے لئے روشنی کی رفتار کا حصول ناممکن ہے۔

### معجزہ معراج میں براق کا سفر

آئن سٹائن کے نظریہ (Theory of Relativity) کے مطابق روشنی کی رفتار کا حصول اور اُس کے نتیجے میں حرکت پذیر مادی جسم پر وقت کا ختم

جانا اور اثر پذیر ہری کھودینا ممکن ہے (کیونکہ اس صورت میں مادی جسم کی کمیت لامحدود ہو جانے کے ساتھ ساتھ اُس کا حجم بالکل ختم ہو جائے گا)۔ آئن سٹائن کے نظریہ کی رُو سے یہی قانونِ فطرت پورے نظامِ کائنات میں لاگو ہے۔ اب اس قانون کی روشنی میں سفرِ معراج کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ”اللہ کی عادت“ کا یہ نظامِ فطرت اُس کی ”قدرت“ کے مظہر کے طور پر بدل گیا۔ وقت بھی تھم گیا..... جسم کی کمیت بھی لامحدود نہ ہوئی، اور وہ فنا ہونے سے بچا رہا..... اُس کا حجم بھی جوں کا توں برقرار رہا..... اور خلائی سفر کی لابدی مقتضیات پورے کئے بغیر سیاحِ لامکاں ﷺ نے براق کی رفتار (Multiple Speed of Light) سے سفر کیا، بیت المقدس میں تعدیلِ ارکان کے ساتھ نمازیں بھی ادا کیں، دورانِ سفر کھایا اور پیا بھی، لامکاں کی سیر بھی کی، اللہ کے برگزیدہ انبیاء کے علاوہ خود اللہ رب العزت کا ”قَابِ قَوْسَيْنِ“ اور ”أَوِ اَذْنَى“ کے مقاماتِ رفعت پر جلوہ بھی کیا اور بالآخر سفرِ معراج کے اختتام پر واپس زمین کی طرف پلٹے تو تھا ہوا وقت آپ ﷺ کی واپسی کا منتظر تھا۔ وضو کا پانی بہہ رہا تھا، بستر ہنوز گرم تھا اور دروازے کی کُندی ہل رہی تھی۔ اگرچہ معجزہ کسی مادی تو جیہہ کا محتاج نہیں لیکن اس حقیقت کا ادراک ہمیں ضرور ہونا چاہئے کہ سائنس سفرِ ارتقاء کے ہر قدم پر معجزاتِ حضور ﷺ کی اتباع میں تسخیرِ کائنات کرتے ہوئے اسلام کے الہامی مذہب ہونے کے بالواسطہ اعتراف کا اعزاز حاصل کر رہی ہے۔ نظریہ اضافیت میں روشنی کی عام رفتار کا حصول بھی ناممکن بنا کر پیش کیا گیا ہے، جبکہ حضور سرورِ کائنات ﷺ براق پر سوار ہو کر ہزار ہا روشنیوں کی رفتار سے سفرِ معراج پر تشریف لے گئے۔ براق برق کی جمع ہے، جس کے معنی روشنی کے ہیں۔ آج کا انسان اپنی تمام تر مادی ترقی کے باوجود روشنی کی رفتار کا حصول اپنے لئے ناممکن تھوڑا کرتا ہے۔ یہ احساسِ محرومی اُسے احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے، جبکہ تاجدارِ کائنات ﷺ روشنی سے بھی کئی گنا تیز رفتار براق پر سوار

ہو کر سفرِ معراج پر روانہ ہوئے۔ معراج کا واقعہ علمِ انسانی کے لئے اشارہ ہے کہ اس کائناتِ رنگ و بو میں موجود عناصر ہی کی باہم کسی انوکھی ترکیب سے اس بات کا قوی امکان ہے کہ انسان روشنی کی رفتار کو پالے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو لاکھوں کروڑوں نوری سال کی مسافتوں میں بکھری ہوئی اس کائنات کی تسخیر کا خواب اُدھورا رہ جائے گا۔ اقبالؒ نے کہا تھا:

خبر ملی ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے  
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

### معجزہ معراجِ طیّٰ زَمَانِی اور طِیّٰ مَکَانِی کی جامعیت کا مظہر

اب جدید سائنس بھی اپنی تحقیقات کو بنیاد بنا کر اس کائناتی سچائی تک رسائی حاصل کر چکی ہے کہ رفتار میں کمی و بیشی کے مطابق کسی جسم پر وقت کا پھیلنا اور سکڑ جانا اور جسم کے حجم اور فاصلوں کا سکڑنا اور پھیلنا تو انینِ فطرت اور منشاءِ خداوندی کے عین موافق ہے۔ ربِّ کائنات نے اپنی آخری آسمانی کتاب قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں طِیّٰ زَمَانِی اور طِیّٰ مَکَانِی کی بعض صورتوں کا ذکر فرما کر بنی نوعِ انسان پر یہ واضح کر دیا ہے کہ انسان تو بیسویں صدی میں اپنی عقل کے بل بوتے پر وقت اور جگہ (Time & Space کے اضافی Relative) تصورات کو اپنے حیطہٴ ادراک میں لانے میں کامیاب ہو گا لیکن ہم ساتویں صدی عیسوی کے اوائل ہی میں اپنی وحی کے ذریعہ اپنے محبوب رسول ﷺ پر ان کائناتی سچائیوں کو منکشف کر رہے ہیں۔

### طِیّٰ مَکَانِی

لاکھوں کروڑوں کلومیٹرز کی مسعتوں میں بکھری مسافتوں کے ایک جنبش

قدم میں سمٹ آنے کو اصطلاحاً 'طی مکانی' کہتے ہیں۔

## طی زمانی

صدیوں پر محیط وقت کے چند لمحوں میں سمٹ آنے کو اصطلاحاً 'طی زمانی' کہتے ہیں۔

خدائے قدیر و خبیر اپنے برگزیدہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام میں سے کسی کو معجزہ اور کرامت کے طور پر طی زمانی اور کسی کو طی مکانی کے کمالات عطا کرتا ہے لیکن حضور رحمتِ عالم ﷺ کا سفرِ معراج معجزاتِ طی زمانی اور طی مکانی دونوں کی جامعیت کا مظہر ہے۔ سفر کا ایک رخ اگر طی زمانی کا آئینہ دار ہے تو اُس کا دوسرا رخ طی مکانی پر محیط نظر آتا ہے۔ معراج النبی ﷺ کے دوران میں ان معجزات کا صدور نصِ قرآن و حدیث سے ثابت ہے، جن کی صحت میں کسی صاحبِ ایمان کے لئے انحراف کی گنجائش نہیں۔

## قرآن حکیم میں طی مکانی کا ذکر

حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ سبا "بلقیس" کے تحت کے بارے میں اپنے درباریوں سے سوال کرتے ہیں:

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْاْ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي  
بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي  
مُسْلِمِينَ ○

(حضرت سلیمان علیہ السلام نے) فرمایا:  
اے دربار والو! تم میں سے کون اُس  
(ملکہ) کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے،  
قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر  
میرے پاس آجائیں ○

(النمل، ۲۷: ۳۸)

ملکہ سبا بلقیس کا تخت دربار سلیمان ﷺ سے تقریباً 900 میل کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان ﷺ چاہتے تھے کہ ملکہ سبا جو مطیع ہو کر اُن کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے اپنے پایہ تخت سے روانہ ہو چکی ہے، اُس کا تخت اُس کے آنے سے قبل ہی سر دربار پیش کر دیا جائے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

قَالَ عِفْرِيتُ مِنَ الْجِنِّ اَنَا اَتِيكَ  
بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَ  
اِنِّى عَلَيْهِ لَقَوٰى اٰمِنٌ ۝  
ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا: ”میں  
اُسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل  
اس کے کہ آپ اپنے مقام سے اٹھیں  
(اٰنمل، ۳۹:۲۷) اور بے شک میں اُس (کے لانے) پر

طاقتور (اور) امانتدار ہوں ۝

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سیدنا سلیمان ﷺ کے دربار کے ایک جن کو قاعدہ طئی مکانی کے تحت یہ قدرت حاصل تھی کہ وہ دربار برخاست ہونے سے پہلے 900 میل کی مسافت سے تخت بلقیس لا کر حاضر کر دے لیکن حضرت سلیمان ﷺ کو اتنی تاخیر بھی گوارا نہ ہوئی۔ اس موقع پر آپ کا ایک صحابی آصف بن برخیا جس کے پاس کتاب اللہ کا علم تھا، خود کو حضرت سلیمان ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ اس انداز کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ  
اَنَا اَتٰیكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ  
اِلَیْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاہُ  
مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ قَالَ هٰذَا مِّنْ فَضْلِ  
رَبِّیْ۔  
(پھر) ایک ایسے شخص نے عرض کیا  
جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا کچھ  
علم تھا کہ میں اُسے آپ کے پاس لا  
سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ  
آپ کی طرف پلٹے۔ پھر جب سلیمان

(انمل، ۲۷: ۴۰) (ﷺ) نے اُس (تخت) کو اپنے

پاس رکھا ہوا دیکھا (تو) کہا یہ میرے  
رب کا فضل ہے۔

حضرت سلیمان ﷺ کا ایک برگزیدہ صحابی آنکھ جھپکنے سے پیشتر تخت بلقیس  
اپنے نبی کے قدموں میں حاضر کر دیتا ہے۔ یہ طئی مکانی کی ایک ناقابلِ تردید قرآنی  
مثال تھی کہ فاصلے سمٹ گئے، جسے قرآن حکیم نے حضرت سلیمان ﷺ کے ایک امتی  
سے منسوب کیا ہے۔ اگر اس کرامت کا صدور حضرت سلیمان ﷺ کے ایک امتی  
سے ہو سکتا ہے تو اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی  
امت کے نفوسِ قدسیہ کے کمالات کی کیا حد ہوگی! مردِ مومن کا اشارہ پاتے ہی  
ہزاروں میل کی مسافت اُس کے ایک قدم میں سمٹ آتی ہے اور اُس کے قدم اٹھانے  
سے پہلے شرق و غرب کے مقامات زیرِ پا آ جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال:

دو نیم اُن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا  
سمٹ کر پہاڑ اُن کی ہیبت سے رائی

## قرآن حکیم میں طئی زمانی کا ذکر

قرآن ہر علم، حکمت اور دانائی کا سرچشمہ ہے جو کائنات کے راز ہائے سر بستہ  
کو ذہنِ انسانی پر منکشف کرتا ہے اور اُس میں شعور و آگہی کے اُن گنت چراغِ روشن  
کرتا ہے۔ طئی زمانی کا ذکر بھی ربِّ اَرْض و سماء کی آخری الہامی کتاب میں پوری  
وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ اصحابِ کہف اور حضرت عزیر ﷺ کے واقعات طئی  
زمانی کی خوبصورت مثالیں ہیں۔ ان دونوں واقعات میں خرقِ عادت اور مخیر العقول



میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ دونوں واقعات اسی کرہ ارضی پر وقوع پذیر ہوئے اور طئی زمانی کے حصول کے لئے سماوی کائنات (Outer Cosmos) میں روشنی کی رفتار سے سفر نہیں کیا گیا، مگر پھر بھی ظہور قدرتِ الہیہ کا نظارہ کیا عجب ہے کہ وقت تھم گیا اور مادّی اجسام بھی محفوظ رہے اور صدیوں پر محیط عرصہ بھی بیت گیا۔

## اصحابِ کہف اور طئی زمانی

قرآن حکیم طئی زمانی کی مثال اصحابِ کہف کے حوالے سے یوں بیان کرتا ہے کہ تین سو نو سال تک وہ ایک غار میں لیٹے رہے اور جب سوکراٹھے تو انہیں یوں گمان ہوا گویا وہ محض ایک دن یا دن کا کچھ حصہ سوئے رہے ہیں۔ قرآن مجید اس محیر العقول واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا أَنُفُوسُ مِنَّا مَعَهُمْ قَالُوا بَلَىٰ ۖ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ  
لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔

”تم (یہاں) کتنا عرصہ ٹھہرے ہو؟“  
”ہم (یہاں) ایک دن یا

(الکہف، ۱۸: ۱۹)

اُس کا (بھی) کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔“

309 سال گزر جانے کے باوجود انہیں یوں محسوس ہوا کہ ایک دن بھی نہیں گزرنے پایا اور ان کے اجسام پہلے کی طرح تروتازہ اور توانا رہے۔ طئی زمانی کی یہ کتنی حیرت انگیز مثال ہے کہ مدتِ مدید تک اصحابِ کہف اور ان کا کتا غار میں مقیم رہے اور مَرورِ ایام سے انہیں کوئی گزند نہ پہنچا۔ قرآن مجید کے اس مقام کے سیاق و سباق کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو اصحابِ کہف کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے غار میں 309 سال تک آرام فرما رہے۔ کھانے پینے سے بالکل بے نیاز قبر کی سی حالت میں 309 سال تک ان کے جسموں کو گردشِ لیل و نہار سے پیدا ہونے والے

اثرات سے کلیتاً محفوظ رکھا گیا۔ سورج رحمتِ خداوندی کے خصوصی مظہر کے طور پر اُن کی خاطر اپنا راستہ بدلتا رہا تا کہ اُن کے جسمِ موسمی تغیرات سے محفوظ و مامون اور صحیح و سالم رہیں۔ 309 قمری سال 300 شمسی سالوں کے مساوی ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کرۂ ارضی کے 300 سالوں کے شمسی موسم اُن پر گزر گئے مگر اُن کے اجسام تروتازہ رہے۔ تین صدیوں پر محیط زمانہ اُن پر انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ گزر گیا اور وہ بیدار ہونے پر صدیوں پر محیط اُس مدت کو محض ایک آدھ دن خیال کرتے رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نشانی اور قدرتِ الہیہ کا ظہور تھا جس سے عادتِ الہیہ کے پیمانے سمٹ گئے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

و تَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ  
تَزُورُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ  
وَ إِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ  
الشَّمَالِ وَ هُمْ فِي فُجُوءٍ مِنْهُ<sup>ط</sup>  
اور آپ دیکھتے ہیں جب سورج طلوع  
ہوتا ہے تو اُن کے غار سے دائیں  
جانب ہٹ جاتا ہے اور جب غروب  
ہونے لگتا ہے تو اُن سے بائیں جانب  
کتر اجاتا ہے اور وہ اُس کشادہ میدان

(الکہف، ۱۸: ۱۷)

میں (لیٹے) ہیں۔

اللہ کی وہ خاص نشانی جس کا ظہور اُس نے اصحابِ کہف کی کرامت کے طور پر کیا، یہ ہے کہ اُس نے اپنے مقربین کو ظالم بادشاہ کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے 309 قمری سال تک سورج کے طلوع و غروب کے اُصول تک بدل دیئے اور ذلِک تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ کی رُو سے ایک معین نظامِ فلکیات کو سورج کے گرد زمین کی 300 مکمل گردشوں تک کے طویل عرصے کے لئے تبدیل کر دیا گیا اور فطری ضابطوں کو بدل کر رکھ دیا گیا۔

خدائے رحمن و رحیم نے اپنی خصوصی رحمت سے اصحاب کہف کو تھپکی دے کر پُر کیف نیند سلا دیا اور اُن پر عجیب سرشاری کی کیفیت طاری کر دی۔ پھر انہیں ایک ایسے مشاہدہ حق میں مگن کر دیا کہ صدیاں ساعتوں میں تبدیل ہوتی محسوس ہوئیں۔ جیسا کہ قیامت کا دن بھی طمی زمانی ہی کی ایک صورت میں برپا ہوگا، جس میں پچاس ہزار سال کا دن اللہ کے نیک بندوں پر عصر کی چار رکعتوں کی ادائیگی جتنے وقت میں گزر جائے گا، جبکہ دیگر لوگوں پر وہ طویل دن ناقابل بیان کرب و اذیت کا حامل ہوگا۔ مشاہدہ حق کے استغراق میں وقت سمٹ جاتا ہے اور صدیاں لمحوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

۔ مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں  
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

### حضرت عزیر علیہ السلام اور طمی زمانی

طمی زمانی کی ایک اور مثال قرآن حکیم نے حضرت عزیر علیہ السلام کے قصے میں بیان کی ہے۔ انہوں نے حصول حق یقین کے لئے اللہ تعالیٰ سے طمی زمانی کے بارے میں سوال کیا۔ اُن کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بطور مشاہدہ اُن پر ایک سو سال کے لئے موت طاری کر دی اور پھر بعد ازاں قدرتِ خداوندی ہی سے وہ زندہ ہوئے۔ قرآن کہتا ہے:

فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ؟

(البقرہ، ۲۵۹: ۲۵۹)

سو (اپنی قدرت کا مشاہدہ کرانے کے لئے) اُسے سو برس تک مُردہ رکھا۔ پھر اُسے زندہ کیا۔ (بعد ازاں) پوچھا: ”تو یہاں (مرنے کے بعد) کتنی دیر ٹھہرا رہا (ہے)؟“

ایک صدی تک موت کی آغوش میں سوتے رہنے کے بعد جب حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ رب العزت کی طرف سے نئی زندگی عطا ہوئی، تو اُن سے یہ پوچھا گیا کہ کتنا عرصہ لیٹے رہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ  
لَبِثْتُ مِائَةَ عَامٍ۔  
”میں ایک دن یا ایک دن کا (بھی)  
کچھ حصہ ٹھہرا ہوں“۔ فرمایا: ”(نہیں)

(البقرہ، ۲: ۲۵۹) بلکہ تو سو برس پڑا رہا (ہے)۔“

حضرت عزیر علیہ السلام کو اصل صورتحال سے آگاہ کیا گیا کہ انہیں تو لیٹے ہوئے 100 سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اُن کے پاس کھانے کا جو سامان تھا وہ بھی جوں کا توں تروتازہ رہا اور اُس میں کوئی عفونت پیدا نہ ہوئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی توجہ اس طرف دلانے کے لئے ارشاد ہوا:

فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ  
لَمْ يَتَسَنَّهْ۔  
پس اب تو اپنے کھانے اور پینے (کی  
چیزوں) کو دیکھ (وہ) متغیر (باسی) بھی  
نہیں ہوئیں۔ (البقرہ، ۲: ۲۵۹)

قدرتِ خداوندی ہے کہ ایک طرف تو حضرت عزیر علیہ السلام کے طعام اور مشروب میں عفونت اور سرائند تک پیدا نہ ہوئی اور وہ جوں کے توں تروتازہ رہے جبکہ دوسری طرف اللہ کے پیغمبر کے گدھے کی ہڈیاں بھی گل سڑ کر پیوندِ خاک ہو گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے سامنے اُس گدھے کی ہڈیاں اکٹھی ہوئیں اور وہ زندہ سلامت کھڑا ہو گیا۔

جدید ترین سائنسی تحقیقات بھی طی زمانی کی تصدیق کر رہی ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ کسی لاعلاج مریض پر مصنوعی موت طاری کر کے اُسے طویل مدّت تک سرد خانے میں محفوظ رکھا جائے اور جب اُس کے مرض کا علاج دریافت ہو جائے تو

اُس کے جسم میں دوبارہ سے زندگی کی لہر دوڑا کر اُس مریض کا علاج کیا جائے اور ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد اُسے ایک بار پھر روزمرہ کے معمولات کی ادائیگی کے قابل بنادیا جائے۔ عین ممکن ہے کہ اُس وقت تک اُس کی اپنی اولاد میں سے کئی نسلیں موت سے ہمکنار ہو چکی ہوں۔ انسان کا یہ خواب اب خواب نہیں رہے گا۔

جدید سائنس اپنے ارتقاء کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں درج سائنسی حقائق کی توثیق کرتی چلی جا رہی ہے۔ مغرب کے سائنسدان اپنے تمام تر تعصبات کے باوجود قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ آج نہیں تو کل عقلی بنیادوں پر تشکیل پانے والا ذہن جدید تعلیمات اسلامی کی سچائیوں کے اعتراف میں پیش پیش ہوگا، اس لئے آنے والی ہر صدی اسلام کی صدی ہے۔ مغربی دُنیا کے پاس اسلامی تعلیمات کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے دامنِ رحمت میں پناہ ڈھونڈنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا اور مصطفوی انقلاب کا سورج مغرب کے اُفق پر بھی اپنی تمام تر تخلیقی توانائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگا۔ زمین پر اُترنے والا ہر لمحہ اللہ کی توحید اور حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دے رہا ہے۔

قرآن مجید میں مذکور حضرت عزیر علیہ السلام کی اس مثال میں طبعی زمانی کا کیا منظر تھا کہ 100 سال کا عرصہ گزر گیا اور اس کے باوجود اُن کے ماڈی جسم کو کوئی گزند نہ پہنچا اور وہ موسموں کے تغیر و تبدل سے پیدا ہونے والے اثرات سے محفوظ رہا۔ وقت اُن کے کھانے پینے کی اشیاء پر بھی اس طرح سمٹ گیا کہ اُن کی تروتازگی میں بھی کوئی فرق نہ آیا، لیکن وہی ایک صدی اللہ کے نبی کے گدھے پر اس طرح گزری کہ اُس کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ حتیٰ کہ اُس کی ہڈیاں تک بکھر گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اُحیاء موتی کا نظارہ کرانے کے لئے اُن کے گدھے پر تجلّی کی تو 100 سالہ مُردہ گدھے کی ہڈیاں اکٹھی ہوئیں، اُن پر گوشت پوست چڑھ گیا اور دیکھتے ہی

دیکھتے وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ قادرِ مطلق نے چشمِ زدن میں حضرت عزیر علیہ السلام کو طی زمانی اور احیائے موتی کے منظر دکھلا دیئے۔

## معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور طی زمانی و مکانی

خدا کی ذات اگر بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر کو اپنی قدرتِ خاص کے کرشمے دکھا سکتی ہے تو اپنے حبیبِ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اس سے بڑھ کر معجزے کیوں برپا نہیں کر سکتی؟ اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں کہ شبِ معراج صاحبِ لواکِ فخر موجودات حضورِ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو زمان و مکاں (Time & Space) کی مسافتیں طے کروانے کے بعد خدائے لم یزل نے اپنے قرب و وصال کی بے پایاں نعمتیں عطا فرمادیں۔ مقامِ قَابِ قَوْسَیْن پر اپنی ہمکلامی اور بے حجابِ دیدار کا شرف اس طرح آرزائی فرمایا کہ ایک طرف خدا اپنے حبیبِ صلی اللہ علیہ وسلم کا سمیع و بصیر تھا تو دوسری طرف حبیبِ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدا کا سمیع و بصیر تھا، اور دونوں کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ تھا۔

بَلَغَ الْعُلَى بِكَمَالِهِ      كَشَفَ الدُّجَى بِجَمَالِهِ  
حَسَنَتْ جَمِيعُ خِصَالِهِ      صَلُّوا عَلَيْهِ وَ آلِهِ

شبِ معراج تاجدارِ کائنات رسولِ کون و مکاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کیا مقامات عطا ہوئے! انہیں عظمت و رفعت کی کن بلندیوں سے ہمکنار کیا گیا! ارتقائے نسلِ انسانی کو تسخیرِ کائنات کے مقفل دروازوں پر دستک دینے کی کس طرح ترغیب دی گئی! اُس شب کتنی مسافتیں طے ہوئیں اور کتنے زمانے بیت گئے! اس کا حال اللہ رب العزت اور اُس کے حبیبِ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ جان ہی سکتا ہے۔ ہم غلامانِ پیغمبرِ صلی اللہ علیہ وسلم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ ہمارے حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر پوری خدائی کی

طنائیں کھینچ لی گئیں۔ چرخ نیلوفرِ دَم بخود تھا کہ یہ کون مہمانِ مکرم لامکاں کی سیر کو نکلا ہے۔ ستارے حیرت کی تصویر بنے رہگو رِ مصطفیٰ ﷺ کی گرد کو اپنے ماتھے کا جھومر بنا رہے تھے۔ وقت کی نبضیں ایک جگہ تھمی کی تھمی رہ گئیں اور کائنات بے حس و حرکت اور ساکت اپنے رُوح رواں کے انتظار میں ایک نقطے پر ٹھہری رہی۔ حضور ﷺ کے زمانہ نبوت میں عقلِ انسانی نے کرۂ ارضی پر محیط فضا کے غلاف کو عبور کرتے ہوئے چاند پر پہنچ کر معجزہ معراجِ مصطفوی ﷺ کے امکان کی نشاندہی تو کر دی لیکن اُس منزل تک پہنچنا معجزہ ہے اور سیارگانِ فلکی تک پہنچنا اُس منزل کی تائید اور سفرِ معراج کی توثیق ہے، فرمانِ مصطفیٰ ﷺ کی تصدیق ہے اور یہ تائید و توثیق فقط نشاندہی کی حد تک ہے کیونکہ اگر عقلِ انسانی بھی منزلِ مصطفوی ﷺ تک پہنچ جائے تو پھر نبوت کا معجزہ ہی باقی نہ رہے۔ اس لئے انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جتنی بھی ترقی کر لے آسمان کی حدود کو پھلانگ کر اور مکاں کی حدوں کو چھوڑ کر کبھی وہ لامکاں کی بلندیوں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ سفرِ معراج کے نقوشِ پاک کو چومنا تو اُس کا مقدر بن سکتا ہے لیکن منزلِ مصطفیٰ ﷺ تک رسائی روزِ قیامت تک اُس کے لئے ممکن نہ ہو سکے گی۔ علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا:

تو معنی ”وَالنَّجْم“ نہ سمجھا تو عجب کیا  
ہے تیرا مدّ و جزر ابھی چاند کا محتاج